تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

ترجمان مجلس صحافت و نشریات۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۵	۱۰ جون ۱۹۸۸ء مطابق ۲۴ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ	شمارہ ۱۵

نگران اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

خط وکتابت کا پتہ

نیجر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳

ندوۃ العلماء، لکھنؤ،

انڈیا

زر تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے

ششماہی : پچیس ۲۵ روپے

فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر

افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر

یورپ وامریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

اداریہ

شمس الحق ندوی

عزم وحوصلہ اور ایثار وقربانی کی ضرورت

صرف شکوہ شکایت کرنا حالات کا رونا رونا۔ کبھی حکومت کو، کبھی جماعتوں اور تحریکوں کو برا بھلا کہنا، کبھی اکثریت و اقلیت کی بنیاد پر پیدا ہونے والی صورت حال پر ماتم کرنا اور انہیں چیزوں میں تمام صلاحیتوں کو لگانا اور صرف کرنا ایک سلبی رجحان اور منفی طرز فکر ہے۔ یہ طرز فکر ان قوموں کا طرز فکر ہے۔ جو عزم وحوصلہ، غیرت وحمیت، اور قوت عمل سے محروم ہو جاتی ہیں۔ جب کسی قوم میں یہ بات پیدا ہو جائے تو اس کے اٹھنے اور سنبھلنے کیلئے قیس وفرہاد کا جگر پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ قومیں مٹ جاتی ہیں۔ کہ

ع ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ○

اس وقت ہمارا حال کچھ ایسا ہی ہو رہا ہے کہ ہم اپنی ساری توانائی شکوہ شکایت اور حکومت کو برا بھلا کہنے میں صرف کر رہے ہیں۔ ہر چیز میں دوسروں ہی کی زیادتی نظر آتی ہے۔ خود کو کیا کرنا چاہئے، اس کی فکر اور حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ ہمارا حال ذیل کے لطیفہ سے ملتا ہو گیا ہے۔

ایک بڑے میاں حکیم کے پاس گئے، ہاضمہ خراب ہونے کی شکایت کی حکیم صاحب نے فرمایا بڑھاپے کی وجہ سے ہے، پھر شدید کمزوری کی شکایت کی حکیم صاحب نے فرمایا، بڑھاپے کی وجہ سے ہے، بڑے میاں نے کہا چلا نہیں جاتا حکیم صاحب نے فرمایا بڑھاپے کی وجہ سے ہے مریض نے خون کی کمی اور بلغم کی زیادتی کی شکایت کی حکیم صاحب نے فرمایا بڑھاپے کی وجہ سے ہے، اس پر بڑے میاں خفا ہو گئے اور حکیم صاحب کی خبر لینی شروع کی کہ تم حکیم ہو کہ گدھے ہر شکایت کی وجہ بڑھاپے کو بتاتے ہو، حکیم صاحب نے فرمایا یہ غصہ بھی بڑھاپے کے سبب ہے۔

یہی حال اس وقت ہماری ملت کا ہو گیا ہے، وہ کبر سنی کا شکار ہے قوت عمل کھو کر صرف شکوہ شکایت کی عادی بنتی جا رہی ہے۔ صرف شکوہ شکایت کرنے سے کوئی قوم ترقی نہیں کرتی نہ اپنی قدروں اور ملی سرمایہ کی حفاظت کر سکتی ہے ترقی کرنے اور اپنے سرمایہ ملی کو محفوظ رکھنے کے لئے عزم وحوصلہ اور خود اعتمادی کی ضرورت ہے۔ ملت کا ہر فرد فیصلہ کرلے کہ ہم کو عزت ووقار کی زندگی باقی رکھنا ہے اور اپنے ملی تشخص کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا ہے اسکے لئے ہر طرح کی قربانی دینی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم یہی نہیں کرتے کمانے کھانے کا مشغلہ ہم کو اس کی طرف نہیں متوجہ ہونے دیتا اس کے لئے بس شکایت کرتے رہنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ یہ کسی زندہ قوم کی علامت نہیں زندہ قومیں اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قیمت وصول کرتی ہیں۔ ان کا شعار ہے

"قیمت عمر حیات کی تو دام دام لے ○ بہار ہو کہ خزاں تو دونوں سے کام لے"

مگر ہم پر بے حسی کا ایسا سایہ ہے کہ خطرات کو بھانپتے اور سمجھتے نہیں نہ اس کی فکر کرتے ہیں کھانے پینے کو ملتا رہے اپنے شوق ودم غونات پورے ہوتے رہیں اور بس کسی اور چیز کی فکر

حضرت سفیان ثوری کی علمی شخصیت

پروفیسر سید اختشام ندوی

صدر شعبہ عربی، کالی کٹ یونیورسٹی

کیرالا

حضرت سفیان ثوری امت اسلامیہ میں ایک عظیم علمی عظمت کے حامل ہیں، ان کو حدیث میں امیر المومنین کہا جاتا ہے ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت امام حسن بصری کے معاصر ہیں، انہوں نے علوم اسلامیہ کی بڑی خدمت انجام دی ہے ان کا مقام علم حدیث، فقہ اور تفسیر میں بہت بلند ہے، مگر ان کا شمار اہم صوفیا میں بھی ہوتا ہے، درحقیقت وہ ایک جامع شخصیت کے حامل ہیں، ان کی زندگی کے واقعات بہت دلکش ہیں، ان کے خیالات میں ہماری زندگی کے لیے عمدہ سرمایہ ملتا ہے، ایک بلند نظر عالم دین کو کیا طریقۂ زندگی اختیار کرنا چاہئے یہ اسوۂ حسنہ ہم کو امام سفیان ثوری کے یہاں ملتا ہے۔

امام سفیان ثوری کو جو سب سے پہلی مشکل پیش آئی وہ مالی تھی، ظاہر ہے کہ انسان کی بنیادی مشکل معاشی مسئلہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ اسی معاشی پریشانی کے باعث علماء، امراء وسلاطین کے در کی گدائی کرتے ہیں اور اپنا ضمیر بیچ دیتے ہیں، لہٰذا اس میدان کو سر کرنے کے لیے انہوں نے تجارت کی راہ اختیار کی، یمن کا سفر کیا، تجارت میں اللہ نے نفع دیا، زندہ ضمیری کا یہ عالم تھا کہ کسی امیر کبیر سے ملتے نہ تھے، ابوجعفر منصور اور اس کا بیٹا مہدی دونوں خلیفہ تھے امام سفیان ثوری سے ملاقات کے مشتاق تھے مگر امام صاحب ان سے گریزاں تھے، اگر کبھی ابوجعفر کی ملاقات امام سفیان سے ہوئی تو انہوں نے کلمۂ حق پوری جرأت کے ساتھ پیش کیا، ابوجعفر منصور نے جب کبھی ان کو یاد کیا تو حضرت سفیان نے فرمایا کہ مجھ کو ان سے کیا تعلق ہے؟ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں! میں تو یہ کہنے کو تیار ہوں کہ تم خلافت کی کرسی چھوڑ دو، تم سے بڑھ کر افضل لوگ موجود ہیں، اتفاق دیکھئے کہ خلیفہ کی ملاقات حضرت سفیان ثوری سے حج میں بمقام منیٰ ہوئی، اس وقت انہوں نے خلیفہ ابوجعفر منصور سے فرمایا کہ:-

اتق اللہ فانما انزلت ھذہ المنزلۃ وصرت فی ھذا الموضوع بسیوف المہاجرین والانصار، وابناءھم یموتون جوعا، حج عمر بن الخطاب فما انفق الا خمسۃ عشر دینارا وکان ینزل تحت الشجر۔

"خدا سے ڈر، تجھے یہ مرتبہ ملا اور مقام عطا ہوا ہے، مہاجرین وانصار کی تلواروں سے، مگر ان کی اولاد بھوک سے مر رہی ہے، حضرت عمر بن خطاب نے حج کیا تو صرف ۱۵ دینار خرچ کیے اور قیام فرمایا درخت کے نیچے۔

اس پر خلیفہ منصور بولا تو پھر میں تمہارا جیسا بن جاؤں، حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ میری طرح مت بنو، لیکن مجھ سے زیادہ، البتہ موجودہ پوزیشن سے معیار کم کر لو، منصور بولا یہاں سے دور ہو۔ [1]

عبد الرزاق بیان فرماتے ہیں کہ ابوجعفر منصور نے حضرت سفیان ثوری کا مونڈھا پکڑ کر کعبہ کی طرف گھمایا اور کہا کہ اس عمارت کے رب کی قسم آپ مجھ کو کیسا انسان پاتے ہیں! حضرت نے فرمایا:- "اس کعبہ کی قسم میری رائے میں آپ برے انسان ہیں اور اپنا ہاتھ چھڑا لیا، اصل عربی عبارت یہ ہے۔ (ورب ھذہ البنیۃ بئس الرجل رایتک وانفلت یدہ)

منصور نے حضرت سفیانؒ کو طلب کیا اور یہ دربار میں داخل کیے گئے وہ بولا کہ تم ہم سے بغض رکھتے ہو اور ہماری دعوت سے بغض رکھتے ہو اور تم کو آنحضرت کی اولاد سے بھی بغض ہے امام ثوریؒ نے فرمایا، سلام سلام پھر سر اٹھایا اور یہ آیتیں تلاوت کیں۔

الم تر کیف فعل ربک بعادہ ○ ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد ○ وثمود الذین جابوا الصخر بالواد ○ وفرعون ذی الاوتاد الذین طغوا فی البلاد فاکثروا فیھا الفساد فصب علیھم ربک سوط عذاب ان ربک لبالمرصاد ○

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا۔ جن کے پاس باغ ارم تھا اور وہ بلند ستونوں والے تھے ان کے مثل ملک میں کوئی نہ تھا اور ثمود جنہوں نے وادی میں پتھر کاٹے تھے اور فرعون جو خیموں والا تھا، ان سب نے ملکوں میں فساد پھیلایا تھا، تب تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا نازل کیا اور تیرا رب گھات میں ہے"

منصور نے سر نیچے جھکا لیا، اور ایک چھڑی سے زمین کھودنے لگا آیات پڑھ کر حضرت ثوریؒ نے فرمایا مجھے وضو کرنا ہے اور وہاں سے نکل آئے ان کی اسی حق گوئی کے باعث اس نے دو بڑھئیوں (نجاروں) کو پہلے بھیج دیا، کہ سفیان ... کو پھانسی دیدو اور میں بعد میں مکہ پہنچتا ہوں، ان نجاروں نے پھانسی کے لیے لکڑی نصب کر دی، حضرت سفیان کا نام پکارا گیا تو اس وقت حضرت سفیان ثوریؒ نے بے اختیاری میں اپنا سر حضرت فضیل بن عیاض کی گود میں اور اپنے پیر حضرت ابن عیینہ کی گود میں ڈال دیئے، لوگوں نے کہا کہ آپ ایسا کام نہ کریں جس سے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع ملے، اس پر وہ کعبہ چلے گئے اور اس کے پردہ میں داخل ہوتے پھر باہر نکلے اور فرمایا میں خطرہ سے باہر ہوں، اتنے میں خبر آئی کہ ابوجعفر منصور مر گیا، حضرت ثوری نے سنا تو کچھ نہیں فرمایا،

منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی خلیفہ بنا، اس نے حضرت سفیان ثوریؒ کو بلا بھیجا جب آپ دربار میں گئے تو اس نے ایک انگوٹھی ان کی طرف پھینکی اور بولا کہ اے ابو عبد اللہ یہ میری انگوٹھی ہے آپ اس امت میں کتاب وسنت کے مطابق کام کیجئے۔ حضرت ثوری نے انگوٹھی لے لی اور فرمایا کہ اے امیر المومنین کیا مجھے گفتگو کی اجازت ہے اس نے کہا ہاں، فرمایا کہ جان کی امان چاہتا ہوں اس نے کہا ہاں' تب حضرت نے فرمایا کہ :-

"لا تبعث الی حتی آتیک ولا تعطنی شیئا حتی اسألک قال فغضب من ذلک وھم بہ فقال لہ کاتبہ، الیس قد امنتہ یا امیر المومنین قال: بلیٰ"

"مجھ کو طلب نہ کیجئے جب تک کہ میں خود نہ آپ کے پاس آؤں اور مجھ کو مت دیجئے جب تک میں آپ سے سوال نہ کروں، یہ سن کر خلیفہ غصہ ہوا اور اس نے سزا دینی چاہی تب اس کے کاتب نے کہا کہ کیا امیر المومنین نے پہلے امان نہیں عطا کر دی ہے، خلیفہ بولا بات صحیح ہے۔"

حضرت سفیان ثوریؒ خلیفہ مہدی کے پاس سے نکلے تو لوگ جمع ہو گئے اور بولے کہ خلیفہ نے کیا برا کہا تھا۔ کتاب وسنت پر عمل تو عمدہ چیز ہے، آپ نے کچھ جواب نہ دیا اور بصرہ روانہ ہو گئے [2] دراصل وہ حکم دے رہا تھا جب کہ دین کی خدمت انسان اپنے اندر کے تقاضے سے کرتا ہے کسی کے حکم سے نہیں۔

ایک دوسرا موقع آیا حضرت سفیان ثوری مکہ گئے اور ادھر سے خلیفہ مہدی بھی مکہ آیا تب خلیفہ نے کہا تم بہت بھاگتے تھے اب نہایت عمدہ جگہ ہمارے قبضہ میں آئے ہو، اچھا تو اپنی ضرورت بتاؤ میں پوری کر دونگا حضرت نے فرمایا کہ مہاجرین وانصار کی اولاد تمہارے دروازہ کے پیچھے بھوکوں مر رہی ہے، میری کوئی حاجت ایسی نہیں جو تو پوری کرے۔

خلیفہ مہدی نے کہا اگر میں ہر صاحب حق کی ضرورت تک نہ پہنچ سکوں تو کیا کروں! حضرت نے صاف فرمایا کہ :-

قال تقعد بیتک وتترک الامر لمن یقدر ان یوصل الی کل ذی حق حقہ۔"

"فرمایا کہ اپنا دین لے کر جاؤ اپنے گھر میں رہو، حکومت ترک کر دو۔

(بقیہ صفحہ ۔۔۔ پر)

[1] سفیان ثوری مؤلفہ ڈاکٹر عبد الحلیم محمودؒ (شیخ الازہر سابق قاہرہ) ص ۳۲۔

[2] سفیان ثوری۔ ص ۳۴۔ ۳۵۔

کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اپنے کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو الحاد و دہریت سے بچانا ہے تو کچھ قربانی دینی ہوگی مالی قربانی جو اس کا اہل ہے، قوم کو جگانے اور بیدار کرنے کی قربانی جو اس کا اہل ہے غلط رسم و رواج کو مٹانے کے لئے قربانی جو اپنے معاشرہ و سوسائٹی پر اثر رکھتے ہیں تعلیم و تربیت کے لئے قربانی جو حکومت کے موجودہ نصاب تعلیم کے مضرات کو جانتے اور سمجھتے ہیں اقتصادیات و معاشیات کے میدان میں اپنے مصیبت زدہ، بے روزگار اور غریب بھائیوں کو اٹھانے اور با روزگار بنانے کیلئے قربانی یہ صاحب ثروت طبقہ کا کام ہے کہ چند احباب مل کر کوئی ایسی صنعتی اسکیم چلائیں جس میں ان پسماندہ بھائیوں کو روزگار ملے اور ان کی بگڑی ہوئی حالت سنبھلے کہ فقر خود ایک عظیم خطرہ ہے جو کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ کاد الفقر ان یکون کفراً

مگر یہ کتنی تلخ حقیقت ہے کہ —

ہم نام و نمود، شہرت و ریاکاری میں تو بے پناہ پیسہ خرچ کر دیتے ہیں ایک بچے کی شادی میں بعض اہل ثروت حضرات کئی کئی لاکھ کی رقم خرچ کر دیتے ہیں۔ ۲۵ ہزار ۳۰ ہزار تو صرف شادی کارڈ کے چھپوانے میں صرف ہو جاتے ہیں کیا اتنی رقم میں کئی غریب بچیوں کی شادی نہیں ہو سکتی مگر شہرت و ناموری کی چاٹ نے اہم ضروری کاموں کے انجام دینے سے محروم کر رکھا ہے۔

پوری ملت اسلامیہ پر جمود و تعطل طاری ہے اب تو جاگ جانا چاہیئے اب تو نیند سے بیدار ہونے کا وقت آگیا ہے۔ اب تو کچھ کر گذریں اب تو اپنے درد دل کا، دکھوں کا مداوا تلاش کریں اب تو یہ ملت پیکر عمل بن جائے ملت کے سر پہ جو خطرات منڈلا رہے ہیں ان قیامت آسا حالات میں ملت اسلامیہ کے بڑے فرائض ہیں اگر ان حالات میں ذاتی اور گروہی اختلافات کو ختم کر کے ملت کے اندر نئی توانائی پیدا کرنے کی فکر نہ کی گئی تو اس کے نتائج بڑے بھیانک ہوں گے یہ وقت مسلمانان ہند کے لئے بڑی آزمائش کا ہے اگر اس آزمائش کے وقت میں بھی ہم نہ جاگے، نمود و شہرت، ریاکاری۔ باہمی اختلاف و انتشار ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، ایک مکتبۂ فکر کا دوسرے مکتبۂ فکر پر لعن طعن کرنے ہی کا سلسلہ چلتا رہا تو ملت کو تباہی سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ لہٰذا وہ وقت آنے سے پہلے جب حسرت کے سوا کچھ اور اختیار میں نہ رہ جائے گا۔ ہمیں اپنی تمام صلاحیتوں کو کام میں لانا چاہیئے اور ملت کے اندر ایک نئی زندگی اور نئی روح پھونکنے کا عزم و حوصلہ پیدا کرنا چاہیئے۔

●●

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ہماری یہ کوشش ہونی چاہیئے
کہ
اسلام کو اس کے پھل سے لوگ پہچانیں

۳ر دسمبر [illegible] ایچ۔ ای۔ ایل کی ایک نو تعمیر مسجد میں بعد مغرب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلامی زندگی اور دینی تربیت کے مظاہرہ کا یہاں اچھا موقع دیا ہے، ایسا موقع جو بڑے بڑے دینداروں اور علماء و مشائخ کو حاصل نہیں، آپ ایک ایسے ماحول میں رہتے ہیں، جہاں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے غیر مسلم بھائی بڑی تعداد میں کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ماحول میں اسلام کو ایک حقانی ربانی دین ثابت کرنے کا زریں موقع عنایت فرمایا ہے، عبادات معاملات اخلاق انسان دوستی فرض شناسی احساس ذمہ داری ذہانت و دیانت اور اسلامی اخوت و مروت کا آپ ایسا نمونہ ان کے سامنے پیش کریں کہ ان کے دل میں اسلام کی حقانیت اور افادیت کا نقش قائم ہو جائے اور ان میں ایسی پیاس پیدا ہو جائے کہ وہ اسلام کا مطالعہ کریں

عملی نمونہ کی اہمیت

ہماری یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ اسلام کو اس کے پھل سے لوگ پہچانیں، جیسے کسی چیز کو پہچاننا مشکل ہوتا ہے کسی منشور کو چاہے وہ کتنا ہی مفید ہو دنیا اسی وقت مفید تسلیم کرے گی، جب وہ عملی زندگی میں جاری ہو اسی طرح اسلام کے پھل سے لوگ اسلام کو پہچانیں گے اور شجر اسلام کے پھل ہم اور آپ ہیں۔

اسلام کے اعلیٰ اصولوں میں دنیا اسی وقت کشش محسوس کرے گی جب ان کا مظاہرہ ہم اپنی عملی زندگی میں کریں، ہم نے جب اپنے عمل سے اسلام کو پیش کیا، تو قومیں اور ممالک اسلام کے آغوش میں آگئے، انڈونیشیا ملیشیا اور دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام اس کے ماننے والوں کے عمل کی وجہ سے پھیلا، لوگ اسلام کو کتابوں میں بعد میں پڑھیں گے، پہلے تو وہ ہمارے رات و دن کے معاملات اور ۲۴ گھنٹے کی زندگی سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

ہمارے بزرگوں کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دیکھ کر ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر لوگ ان کا کلمہ پڑھتے تھے یعنی اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اسلام کی اشاعت جنگوں کے ذریعہ نہیں ہوئی، بلکہ حسن اخلاق کے ذریعہ ہوئی، برسوں کے عقائد تصورات مسلمات و نظریات کو بدل دینے والے اور ذہن پر چوٹ لگانے والے عمل و کردار کے ذریعہ ہمارے اسلاف نے دلوں کو جیتا، ہماری ایمانداری

ہمارے معاملات اور ہمارے دفتر و بازار کی زندگی پر اسلام کا کوئی اثر نہ ہو تو ایسا اسلام برادران وطن کو متاثر نہیں کر سکتا۔

اور دیانت داری اور ہمارے اخلاق و معاملات ہماری پوری زندگی دماغ پر چوٹ لگانے والی غور و تدبر پر آمادہ کرنے والی نہیں، ہمارا عمل ایسا ہو کہ دنیا کی ذہنی سطح پر تموج کی ایک لہر آئے۔

اسلام ایک جامع و کامل دین ہے

دین جامع ہے عبادات عقائد اخلاق و معاملات اور عام انسانی فلاح و بہبود کا اگر ہم عقائد و عبادات کی حد تک تو مسلمان ہوں لیکن ہمارے معاملات اور ہمارے دفتر و بازار کی زندگی پر اسلام کا کوئی اثر نہ ہو تو ایسا اسلام برادران وطن کو متاثر نہیں کر سکتا، نماز روزے سے انسان میں تواضع تحمل و مروت و اخلاق جیسی صفات پیدا ہونی چاہیئے۔

ہندوستان میں اپنی نوعیت کے اس سب سے بڑے کارخانے میں آپ کو یہ موقع حاصل ہے کہ آپ یہاں اپنے عمل سے اسلام کی تعلیمات کو پیش کر کے برادران وطن کو اسلام سے مانوس اور متاثر کر سکتے ہیں آپ کے اخلاق و کردار میں ہیرے کی چمک اور کندن کی دمک ہو۔

اس ملک میں ہر قسم کا کام ہو رہا ہے لیکن وہ کام نہیں ہو رہا ہے جس کے ذریعہ برادران وطن کو اسلام کا پیام محبت و مساوات پہنچایا جائے، اس کام کے لیے H.E.L. جیسے مقام پر آپ کی ملازمت اور یہاں قیام اس دعوت کی راہ ہموار کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بن سکتا ہے، اسلامی زندگی کا نمونہ بن کر آپ اس کام کو بہت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔

●●●

اپنے ملک کی تباہی اور بگاڑ پر خوش ہونا غیر اسلامی فکر ہے

— مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت مولانا نے ۱۷ مارچ ۱۹۶۷ء کو بھوپال میں "مسلم مجلس مشاورت" کی جانب سے منعقدہ ایک جلسۂ عام میں یہ تقریر فرمائی

خود کی بازیافت!

زندگی غیر متحرک اور جامد شئی نہیں ہے، خیالات بدلتے رہتے ہیں، زندہ انسانوں کی علامت ہے کہ وہ تبدیلیوں کا جائزہ لیتے ہیں اور حالات و ماحول کے تقاضوں کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اس کا صحیح جواب دیتے ہیں، زندگی اگر کہیں ٹھہری ہوئی نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا اصل جوہر ضائع ہو گیا ہے۔ میں آپ سے یہ بات نہیں کہوں گا کہ ہم نے پچھلے دنوں کوئی بڑی مسافت طے کی ہے یا کوئی بہت عظیم کامیابی حاصل کی ہے، خودستائی اور مبالغہ کے بغیر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس عرصہ میں ہم نے چاہے بڑا فاصلہ طے نہ کیا ہو اور نہ کوئی عظیم الشان کامیابی حاصل کی ہو لیکن اپنے آپ کو ضرور دریافت کر لیا ہے، یاد رکھیے جب قوموں اور ملکوں کے سیاسی ماحول پر جمود و تعطل کی کہر چھائی ہو تو انقلاب کی رفتار بہت سست کام کرتی ہے۔

انقلاب کی غیر محسوس رفتار!

صدیاں گذر جاتی ہیں لیکن خاندانوں کی تبدیلی کے علاوہ کوئی خاص تغیر و تبدل نہیں ہوتا، خود ہمارے ملک کی قریبی تاریخ پر نظر ڈالیے، صدیوں تک یہاں انقلاب کی رفتار غیر محسوس تھی لیکن جب اس کی صحیح معنی میں نمود ہوئی تو زمین و آسمان بدل گئے، ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ گذشتہ سالوں میں ہم نے کیا حاصل کیا اس کا اگر صحیح جواب ہے تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو پایا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے، کوئی کھوئی ہوئی امت اگر خود کو تلاش کرے تو یہ کولمبس کے نئی دنیا کے تلاش کرنے کے کارنامہ سے زیادہ عظیم ہے۔

گلہ کی ایک بھیڑ اگر کھو جائے تو گلہ بان اس کی تلاش میں اپنی توانائیاں صرف کر دے گا لیکن ایک حقیقی چرواہا جسے ملت سے صحیح انس ہے، ایک ایسی ملت کی جس کی تعداد چھ کروڑ ہے اور جو خدا کی عنایت کردہ نعمتوں اور توانائیوں سے بھرپور ہے ماضی قریب میں جس نے شاندار کارنامے انجام دیے ہیں اس کی دریافت کیا کم بات ہے، ایسی امت جس نے اس ملک کی قسمت کو پہلے بھی جگایا تھا اور اب بھی اس کو سنوار سکتی ہے۔

یہ انسانیت کے لیے بوجھ امتیں

"اس لیے میں کہتا ہوں کہ اس ملت کو خود کو پا جانا بہت بڑی کامیابی ہے جس طرح وہمی انسان خاندان اور سماج پر بوجھ بن جاتے ہیں اس طرح امتیں بھی زمانے کے دوش پر بار بن جاتی ہیں ان میں ہمت شکنی اور ذہنی پستی کی ایسی فضا طاری ہو جاتی ہے کہ وہ خود کی نفی کرنے لگتی ہیں اور ان کے دل و دماغ پر فکر چھا جاتی ہے کہ وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتیں، انھیں ایسا حصار چاہیے جس میں وہ دوسروں کی زیر حفاظت رہ سکیں ایسی امتیں ملک و قوم، بلکہ انسانیت کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں، ہمیں زندہ فعال اور خودشناس ملت کی حیثیت سے ملک کی خدمت کرنا چاہیے حقائق پسندی سے کام لے کر اس ملک کی تعمیر و ترقی میں مثبت کردار ادا کرنا چاہیے کیونکہ اس کی خوشحالی سے ہمیں فائدہ ہوگا ہم اپنے مقصد اور نصب العین کی تکمیل بہتر ماحول میں انجام دے سکیں گے۔

برتر از اندیشہ سود و زیاں

مصلحتوں، جذبات، مفادات کی قربانی کیے بغیر کوئی جماعت بلند مقاصد حاصل نہیں کر سکتی، جس مزکی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض و تربیت نے ان نفوس قدسیہ میں اخلاقی محاسن پیدا کیے، اگر وہ ذات ستودہ صفات ان میں فلسفی کا دماغ، صوفی کا قلب محنت و جفاکشی کی بہت بڑی تعداد بھی عطا کر دیتی لیکن اس کی کیمیا اثری اور معجز نما شخصیت کی وجہ سے ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا تو اسلام کی اثراندازی اور فتوحات کا وہ عالم نہیں ہوتا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ حضرت خالدؓ کو عین میدان جنگ میں معزول کر دیا گیا لیکن انھوں نے ایثار و قربانی اور اطاعت کا بہترین مظاہرہ کیا، ہم میں سے ہر شخص اپنا محاسبہ کرے اور اپنے آپ کو ٹٹول کر دیکھے کیا وہ ایسی قربانی کر سکتا ہے؟

شماتت ہمسایہ والی ذہنیت

سود و زیاں کے اس اندھے دور میں جب کہ ہر چیز نفع و نقصان کے میزان پر تلنے لگتی ہے، مسلم قوم سے ہی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور ان خطرات کا سامنا کرے جن سے ملک دوچار ہے کیونکہ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہمیں جماعتوں کی کوتاہ اندیشی سے اس قدر متاثر نہیں ہونا چاہیے کہ اس ملک کے بارے میں اخلاقی اور دینی نقطہ نظر سے ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انھیں فراموش کر دیں اس سے ہٹ کر خالص مادی نقطۂ نظر سے سوچیے کہ اگر ملک کے حالات خراب ہوتے جائیں اور انسانی آبادی روٹی کپڑے اور مکان جیسی بنیادی مسائل میں الجھ کر ذہنی انتشار اور پراگندگی کا شکار ہو جائے اور مسلم معاشرہ کا بھی یہی حال ہو تو ہماری دینی مجلسوں، وعظ کی محفلوں اور تصنیف و تالیف کے کاموں کی کیا اہمیت اور قدر و قیمت رہ جائے گی، خالص اسلامی نقطہ نظر سے بھی معاشی آسودگی اور مستحکم اقتصادی حالت کی ضرورت ہے۔

میں شماتت ہمسایہ والی ذہنیت کو بالکل پسند نہیں کرتا اس ملک کی تباہی و بگاڑ پر خوش ہونا غیر اسلامی فکر ہے، یہ مسلمان کے شیوہ کے بالکل خلاف ہے، ہم نے جب اس ملک سے اپنی قسمتیں وابستہ کر دی ہیں تو اس ملک کے غم اور خوشی میں برابر کا شریک ہونا چاہیے یہاں کے فساد و بگاڑ اور انارکی پر ہمیں دلی رنج اور روحانی اذیت محسوس کرنا چاہیے کیونکہ اصلاح کی اصل ذمہ داری ہماری ہے، ہمیں اشتراک و تعاون اور ہمدردی کا رویہ اپنانا چاہیے۔

زندگی کا دھارا رخ ہمارا

اس طرح بہی خواہی کی شمعیں فروزاں رہیں، خدا کے نزدیک خاندان اور نسل اور رنگ دلچسپی کی چیز نہیں ہے، وہاں تو نافعیت کا قانون چلتا ہے جو گروہ اپنی افادیت ثابت کر دیتا ہے خداوند قدوس اپنے بندوں کی گردنیں اس کے حوالے کر دیتے ہیں، اس لیے برادران وطن سے بھی اپنے تعلقات کو استوار کرنا چاہیے اور تعاون مفاہمت پسندی کا جذبہ اپنانا چاہیے، اس ملک کی تعمیر و ترقی میں پورے طور پر شریک رہنا چاہیے، میں اس سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ زندگی کے دھارے سے کٹ جانے کا رجحان بہت ہی مہلک ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ہم اس دھارے میں گم ہو جائیں سمت متعین کر کے پوری پامردی اور حوصلے کے ساتھ آگے بڑھیں۔ زندگی کے دھارے سے کٹ جانے کی کم سے کم سزا یہ ہوتی ہے کہ ایسی قوم زندگی اور اس کے لوازمات سے بے دخل کر دی جاتی ہے اور پھر اسے اپنے آپ پر بھروسہ نہیں رہتا، دوسروں کے سہارے چلنے کی عادت ہو جاتی ہے جہاں یہ بیساکھیاں ہٹا لی گئیں، چلنا کیا معنی وہ دھڑام سے نیچے آ رہی ہے۔

ایک مثال

زندگی کے دھارے سے کٹ جانے کے نتیجہ میں یہودی قوم کو یہ سزا ملی کہ وہ تاریخ کے ہر دور میں دنیا کے اسٹیج پر ایک تخریبی طاقت بن کر نمودار ہوتی، تعمیر پسندی اور انسانیت دوستی کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

اپنی دنیا خود تلاش کریں

اپنی دنیا خود تلاش کیجیے جو قومیں تنظیم خودشناسی اور فعالیت کے جوہر سے آراستہ ہوتی ہیں، وہ اپنے قوت بازو سے حصول رزق کی تلاش کرتی ہیں، خدا کے بعد انھیں خود پر اعتماد ہوتا ہے، وہ کاسۂ گدائی لیکر گھومتی نہیں وہ کتوں اور گائیوں اور بیلوں کی طرح پس خوردہ کھانے پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ دوسروں کے لیے اپنے رزق کے ذخائر میں سے پس خوردہ چھوڑ دیتی ہیں۔

اقتدار پرستی ہمارے مزاج و کردار کے منافی ہے

ہماری نظریں ہر وقت حکومت و تخت پر نہیں رہتیں، ہم اسے بہت دور کی جگہ تصور کرتے ہیں۔ اقتدار پرستی ہمارے مزاج اور کردار کے خلاف ہے لیکن اگر ہم اپنے میں وہ صفات پیدا کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند آتی ہوں اور وہ زمین کی وراثت

تبدیلیٔ نظام یا تبدیلیٔ قلب

مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندوی ایڈیٹر "الرائد" (مترجمہ) سید محمد جاوید اقبال ندوی

عالم اسلام اس وقت عجیب وغریب صورتحال سے دوچار ہے جس سے وہ دنیا کے فسادزدہ اور فتنوں سے دوچار علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے، مسائل کی کثرت، فکری اور نظریاتی ٹکراؤ، اور بغض وحسد نیز خون خرابہ کے واقعات کی خبریں مسلسل وصول ہوتی رہتی ہیں، گذشتہ دس سالوں میں وقار اور شہرت، مالی اور نفری طاقت وقوت میں عالم اسلام کو جتنا خسارہ ونقصان برداشت کرنا پڑا۔ اتنا خسارہ صدیوں میں پیش نہیں آیا تھا اس صورتحال کا ایک بڑا سبب مسلم ممالک میں مسلسل وپیہم بغاوتیں اور انقلاب کی ناکام کوششیں ہیں ایران عراق جنگ کے تباہی وبربادی اور انتشار میں زیادہ اضافہ ہوا۔ اس جنگ سے صرف ایران عراق ہی تباہی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ عالم اسلام کو مجموعی طور پر سخت نقصان پہونچا لبنان کی خانہ جنگی، افغانستان میں جاری جدوجہد نے بھی اقتصادی اور سیاسی مسائل میں اضافہ کیا — مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر رونما ہونے والے حادثہ نے، عالم اسلام کے شرف اور وقار کو ناقابل تلافی نقصان پہونچایا، جس کے اثرات حالات وماحول پر ہنوز برقرار ہیں، رعب اور وقار کے مجروح ہونے سے زیادہ سنگین خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان حادثات سے مکہ مکرمہ کے امن وسلامتی پر اعتماد وبھروسہ متزلزل ہوگیا — وہ شہر جس کے بارے میں قرآن مجید نے صراحت سے فرمادیا "وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا" (جو اس میں داخل ہوگیا امن پاگیا)، اس شہر کے امن وسلامتی کا تصور چند لوگوں نے مشکوک بنادیا جو سیاسی ذہنیت وفکر کے دام فریب میں گرفتار تھے جنہوں نے مقدس سرزمین اور کھیل کے میدان، اور مسجد وبازار کے درمیان کوئی تمیز نہ کی اور سیاست ومعاملات کو دینی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے بجائے، تعبدی مسائل کو سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا۔ جس کے نتیجہ میں دینی کاموں کی برکتوں سے محرومی حصہ میں آئی۔ جو نماز کو جسمانی ورزش سمجھے اور جس کے یہاں حج، کانفرنس یا سیاسی مظاہرہ سے عبارت ہو۔ وہ کسی وقت رکوع اور سجدہ کو نکلے بجائے، سر کے بل کھڑے ہونے کی بھی تلقین کرسکتا ہے اور لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ "کہنے" کے بجائے، سیاسی لیڈر کے نام کا استعمال کرسکتا ہے اور اللہ اکبر کے بجائے کسی دوسرے لیڈر کا نام لے سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض ایرانیوں نے حج جیسے مقدس فریضہ اور مکہ مکرمہ جیسی مقدس سرزمین میں کیا۔

تاریخ میں ایسے لوگ اکثر پائے گئے ہیں جنہوں نے عبادات اور دینی اعمال کی من مانی تفسیر اور تشریح کی ہے ایسے افراد کے موجود ہونے پر کوئی تعجب نہیں ہے اور نہ ہی ان کی باتیں موجب حیرت ہیں۔ کیونکہ دنیا میں سبھی طرح کے انسان پائے جاتے ہیں عقلمند اور زودفہم بھی اور مجنوں وپاگل بھی — ایسے زیرک وذہین بھی دنیا میں موجود ہیں جو اپنے ملک ووطن کو نازک وسنگین صورتحال سے بچالیتے ہیں اور راستہ کو روشن ومنور کردیتے ہیں، اور ایسے شرپسند بھی ہیں جو خود کو بھی ہلاک کرتے ہیں اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے غار میں ڈھکیل دیتے ہیں۔

حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس طرح کے فریب خوردہ لوگوں کی بات ماننے والے اور اتباع کرنیوالے بڑی تعداد میں پائے جائیں جو اس فریب کو سمجھنے سے قاصر ہوں، جو دین سے اور علمی تصورات اور اخلاقی قدروں سے کھلے ہوئے انحراف کو نہ سمجھ سکیں، اور ان پر الفاظ کا جادو اتنا اثر کرجائے جیسا کہ قرآن شریف کا ارشاد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ

اور بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہے، کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہو مزیدار معلوم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر، حالانکہ وہ نہایت شدید ہے

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد، تقدیس وذہنیت اور پروپیگنڈہ کا شکار ہو جائے اور شریعت میں کیا جائز ومقبول ہے اور کیا ناجائز ومردود ہے اس کو۔ اس کی بھی تمیز نہ رہے، یہ سب سے زیادہ حیرت انگیز اور ملت کے لئے خطرہ کا باعث ہے

کوئی مرض خواہ کتنا ہی خطرناک ہو اسی وقت اس سے بڑا خطرہ پیدا ہوسکتا ہے جبکہ وہ وبائی شکل اختیار کرلے اور جب عام بیماری وبائی شکل اختیار کرلیتی ہے تو وہ مرض لاعلاج مرض سے بھی زیادہ مہلک وخطرناک ہوجاتا ہے اس لئے کہ وبا کا دائرہ اثر ہمہ گیر اور اجتماعی ہوتا ہے جس سے دور دراز علاقوں تک بسنے والی نسلیں متاثر ہوجاتی ہیں

عالم اسلام کی زیادہ تر پریشانیوں کا سبب وہ انتہاپسند قیادتیں ہیں جو مختلف اسلامی ملکوں میں گذشتہ سالوں میں ابھریں اور پروان چڑھیں۔ یہ قیادتیں دلکش ودل پسند سیاسی نعرے بازی کے ذریعہ ابھریں۔ حالانکہ یہ نعرے خود غرضی پر مبنی تھے اور لیڈروں کے ذاتی اغراض ومقاصد کے تحت لگائے گئے۔

بنگالیوں نے مشرقی پاکستان میں ثقافت کو بنیاد بناکر ایک انتہاپسند سیاسی لیڈر کی اپیل ودعوے سے متاثر ہوکر تحریک کو قبول کرلیا یہ تحریکیں اسلام کے برادرانہ تصور کی مخالف اور تنگ قومی تصور پر قائم تھیں انہی بنگالیوں نے اسی لیڈر کے خلاف بغاوت کی اور اس طرح بنگلادیش میں پیہم کشت وخون کا وہ المیہ رونما ہوا جو ہنوز جاری ہے۔ آخری اطلاعات کے بموجب ڈیڑھ سو سے زائد افراد

الیکشن میں مارے گئے اور ہزاروں شہری حکومت مخالف تحریک میں شامل ہونے کی وجہ سے زخمی ہوئے۔ چند سالوں سے ملک میں جاری تحریک بحالی جمہوریت کے نتیجہ میں زبردست جانی ومالی نقصان ہوچکا ہے۔ اور ملک فقر وافلاس، بیکاری وبے روزگاری۔ پچھڑے پن اور علیحدگی پسند ذہنیت کے بڑھتے ہوئے خطرات سے دوچار ہے۔ لیکن ان تمام امور سے قطع نظر، سیاسی لیڈر سب سے نزدیک سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ برسراقتدار لوگوں سے مقابلہ کیا جائے اور ان کو ہٹایا جائے۔ اگر موجودہ قیادت اقتدار سنبھالے تو تبدیلیٔ نظام کی یہی تحریک ایک نئے نعرے کے ساتھ۔ نئی حکومت کا تختہ پلٹنے کی سعی وجدوجہد کرنے لگے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاسی رہنماؤں نے عوام کے ذہن میں یہ بٹھا دیا ہے کہ تبدیلیٔ نظام جادو کی وہ چھڑی ہے جس سے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے

دوسری طرف پاکستان بھی انہی حالات کا سامنا کررہا ہے۔ وہاں کی سیاسی تحریک کا کام صرف حاکم وقت کو اقتدار سے ہٹانا ہے۔ اس تحریک میں دینی مفکر اور داعی حضرات بھی شامل ہیں اور سماجی وسیاسی لیڈر بھی۔ اور سب کا واحد مقصد، "حاکم کی تبدیلی" ہے ان تمام لوگوں کو بلوچستان اور کراچی میں ہونے والے فرقہ وارانہ تصادم وکشمکش سے اور بے گناہ افراد کی جو خوں ریزی اور بے حرمتی ہورہی ہے، اور سندھ میں سرکشی وعلاحدگی پسندی کے جو نعرے لگ رہے ہیں، ان سے اور اپنے ملک کی اخلاقی واجتماعی حالات کی گراوٹ وانحطاط سے، کوئی دلچسپی نہیں ہے، اسی طرح ان کی۔ اس امر کی جانب کوئی توجہ نہیں ہے کہ ملک کو، اس وقت ضرورت تعلیم کی ہے۔ تہذیب کی ہے۔ اخلاقی تربیت کی ہے، صنعت کاری کی ہے بے روزگاری کا مقابلہ کرنے کی ہے اور قوم کی اسلامی تربیت کی ہے — اگر آپ کوئی اخبار یا رسالہ پڑھیں تو آپ اسمیں لکھنے والوں کو جمہوریت بحال کرنے انتخابات کرانے۔ اور نظام سلطنت کو تبدیل کرنے جیسے موضوعات میں مصروف اور مشغول پائیں گے اور ان میں سے کوئی ایک فرد آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو پریشان کن حالات سے فکرمند ہو و

(تبدیلیٔ نظام) اضطراب محسوس کررہا ہو، اور ان کے حل کرنے کے سلسلہ میں کوشاں ہو۔ اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ اسلامی حکومت کو قائم کرنے سے دلچسپی رکھنے والے جو اسلامی تربیت کی فکر سے محروم ہیں،

ان کو حالات کی اصلاح کرنے تعلیم کو پھیلانے اور اسلامی بھائی چارگی کی خاطر کام کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

طاقت کے بل بوتے پر، حالات کی تبدیلی ... کا یہ طرز فکر، صالح اور تعمیری فکر نہیں ہے۔ یہ تو اختلافات اور پھوٹ پیدا کرنے والی ذہنیت ہے جو ہمارے بعض دینی واصلاحی کام کرنیوالوں کے ذہنوں میں بھی سرایت کرچکی ہے دینی مقصد کے حصول کے لئے دباؤ اور سیاسی وسائل کا استعمال، درحقیقت سیاسی تحریکوں کی تقلید کی غمازی کرتا ہے۔ اس طویل مدت کے درمیان کیا جانے والا یہ تجربہ۔ اس طریقۂ کار کی عدم افادیت کی واضح دلیل ہے۔ بہت سے اسلامی ممالک نے، دینی کاموں کے لئے، اس طریقۂ کار کا تجربہ کیا جاچکا ہے لیکن مجموعی حالات کے اعتبار سے۔ نتائج ہمت افزا نہیں ثابت ہوئے بلکہ اس طریقۂ کار نے داعیان کرام اور مصلحین کو نفس کی اصلاح کرنے۔ نئی نسل کی دینی تربیت کرنے اور عقائد کی تصحیح کرنے، نیز غیرمسلموں کو اسلام کی دعوت دینے سے بہت دور کردیا ہے خود پاکستان میں اسلامی تحریکیں نظام حکومت کو تبدیل کرنے میں مشغول رہیں اور انتخابات کے میدان میں اتریں اور سیاسی گٹھ جوڑ اور متحدہ محاذ میں شامل ہوگئیں۔ لیکن ان کے حصہ میں پانچ فیصد سے زائد کامیابی بھی نہ آسکی۔ عملی میدان میں پاکستان کا جائزہ لیجئے تو وہاں دینی رہنمائی اور دعوت کے سلسلہ میں ایک عظیم خلا نظر آئیگا اور علاقائی عصبیت، قبائلی عصبیت، لسانی عصبیت، ذہنی وفکری اضطراب اور اخلاقی قدروں کی پامالی نقطۂ عروج پر ملے گی۔ اس لئے کہ اہل علم اور دینی کام کرنے والوں کی توجہ صرف سیاسی پہلو پر ہے، جو اپنے اندر کشش وجاذبیت، قوت اور جوش وولولہ رکھتا ہے۔

جس ملک کے قیام پر چالیس سال سے زائد مدت گذر چکی ہو۔ وہ قومی بنیاد اور قومی جذبہ کا محتاج ہو اور وہاں وحدت کا رجحان نہ پایا جاتا ہو، وہاں کے بسنے والے مسلمان، مختلف مفادات کے مربوط ہوں۔ قومی اور علاقائی گروہوں اور گروہوں میں منتشر اور تقسیم ہوں، اور بے دین قیادتیں ان میں کامیابی کے ساتھ اپنا کام کررہی ہوں، بلاشبہ یہ امر کھلی دلیل ہے اس بات کی، کہ دینی تربیت کرنے والوں کی کوششیں ناکام ہیں اور وہ صراط مستقیم سے منحرف ہیں۔ ایسے میں کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کا قتل اور وحشیانہ طریقے سے ان کے اموال کی لوٹ مار دوہرا جرم ہے۔ انسانی جرم بھی اور اسلامی جرم بھی.... اس لحاظ سے عصر جاہلی سے نسبت وتعلق اور جاہلیت کے نعرے، زبان پر فخر وگھمنڈ اور عصبیت وثقافت پر ناز وغرور، اسلام کی نظر میں آگ میں کودنے کے مترادف ہے لیکن اس کی فکر، اہل قلم حضرات کے مضامین میں اور علمائے کرام کی تحریروں میں نظر نہیں آتی۔ نہ پاکستان میں نہ بنگلادیش میں یہ بے حسی ایک بہت بڑے خطرے کی نشاندہی کرتی ہے جو ملک کی سلامتی کے لئے چیلنج ہے۔

ہر اسلامی ملک میں، اس ہنگامہ خیزی وخوں ریزی کی۔ اور جاہلی نعرے لگانے اور علاقائی، مذہبی عصبیت کا سہارا لینے کی جو صورت حال ہے اس سے ہر قائد اور لیڈر کو فکر لاحق ہونی چاہئے تھی۔ اور موجودہ مشکلات کو حل کرنے کیلئے ان کو تمام کوششیں صرف کرنی چاہئیں، اور نفس کی اصلاح ورہنمائی کیطرف توجہ کرنی چاہیئے اور یہ بتانا چاہیئے کہ دلوں کے اندر انقلاب لاکر اور صبر ورواداری ضبط نفس اور قربانی وجدوجہد کے ذریعہ ہی مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔

دلوں کو مائل کرنے اور گرویدہ بنانے کا یہی واحد طریقہ ہے جو نظام حکومت کو تبدیل کرنے کے مقابلے میں زیادہ سودمند اور نفع بخش ہے۔ تبدیلیٔ نظام سے بغض وعداوت، حسد وجلن اور خوں ریزی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے اور حالات میں قطعاً کوئی تغیر نہیں ہوتا

بقیہ حضرت سفیان ثوری

اس کو دیدو جو ہر صاحب حق تک پہنچ کر اس کا حق اس کو دلا سکے'

اس پر ابوعبیداللہ بولے کہ آپ بے کار باتیں زیادہ کرتے ہیں اگر آپ کو کوئی ضرورت ہو تو اپنی حاجت طلب کیجئے ورنہ واپس جائیے، حضرت سفیان واپس آگئے[1] خلیفہ مہدی نے حضرت سفیان ثوری کو طلب کیا، وہ بھاگ کر یمن پہنچے۔ ایک قبیلہ کی مسجد میں حضرت سفیان ثوری پناہ گزیں ہوئے، وہاں چوری ہوگئی تو ان لوگوں نے حضرت پر اتہام لگایا اور ان کو حاکم کے سامنے پیش کیا، معن بن زائدہ حاکم ان کی شخصیت سے واقف تھا، اس نے پوچھا آپ نے کیوں چوری کی، حضرت سفیان نے فرمایا کہ میں نے کچھ نہیں چرایا، پھر معن نے ان لوگوں سے کہا ذرا ہٹ جاؤ میں تنہائی میں ان سے سوالات کروں گا، معن بن زائدہ نے کہا آپ کا اسم شریف! فرمایا عبداللہ بن عبدالرحمن، معن نے قسم دلاکر پوچھا کہ سچ سچ بتایئے کہ آپ کا اصل نام کیا ہے! فرمایا سعید، معن نے کہا کون سعید! حضرت سفیان بولے سعید بن سفیان، معن نے کہا ثوری، حضرت سفیان نے فرمایا ہاں ثوری، اس نے کہا جن کو امیرالمومنین تلاش کررہے ہیں حضرت ثوری نے فرمایا ہاں، معن بن زائدہ نے کچھ دیر سوچا اور پھر کہا آپ یہاں سے چل دیں میں آپ کو نہ پکڑونگا آپ اپنے کو چھپائیں تاکہ پکڑے نہ جائیں[2]

حضرت سفیان نے فرمایا کہ۔

"اگر تم اپنی روٹی اور ترکاری پر قانع رہو تو یہ امراء تم کو غلام بنانے کی فکر کریں گے"

ان واقعات پر غور کیجئے کہ بادشاہ وقت اصرار کرتا ہے کہ بتایئے میں آپ کی ضروریات پوری کردوں آپ کو پیسے دوں مگر یہ بھاگتے ہیں اور کلمۂ حق کا اعلان پوری شدت سے کرتے ہیں، ابوجعفر منصور نے تو پھانسی کا حکم ہی دیدیا تھا۔ اس کے بیٹے مہدی نے بھی گرفتاری کا حکم دیا مگر اللہ نے ان کو ان امراء کے شر سے محفوظ رکھا، یہ ہے ہمارے علمائے امت کا اعلیٰ کردار اور دلکش نمونہ۔

---

[1] سفیان ثوری۔ ص ۳۶-۳۷

[2] ایضاً ص ۳۸-۳۹

غزل

قمر سنبھلی (دہلی)

تمہارے سامنے منظر کہاں قیامت کا
عذاب سہتے کبھی کاش تم بھی ہجرت کا

قصور سب سے یہ ناصر علامت کا
الجھ کے رہ گیا مفہوم ہی عبارت کا

وہ ترکہ چھوڑ گیا ہے فقط شرافت کا
ہو دعویدار بھلا کون اس وراثت کا؟

قلم کے ساتھ زباں بھی تراش لو میری
یا امتحان بھی لے لو میری شرافت کا

انہی کے ساتھ گئی ہر فضیلت اجداد!
پڑھیں قصیدہ کہاں تک ہم ان کی عظمت کا؟

کوئی سنائے تو آکر حدیث شب مجھ کو
ابھی بجھا نہیں شعلہ مری سماعت کا۔

ہے ایک دانۂ گندم کی فتنہ سامانی
یہی ہے نکتۂ آغاز اپنی ہجرت کا

مری حیات کی وسعت پہ ہوگیا ہے محیط
وہ ایک پل جو امیں ہے تیری رفاقت کا

ہر ایک سائے سے گزرے بہت شجر دیکھو
کہیں بدل نہ ملا ہم کو ماں کی شفقت کا

تباہیوں پہ قمر چپ ہیں لوگ بستی کے
ہے انتظار ابھی شاید کسی کرامت کا

حرم کے مسافروں اور مکینوں سے!

از .... مولانا برہان الدین صاحب، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم الامین الھادی الی اللہ الحنفیۃ البیضاء التی لیلھا ونھارھا سواء ، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین ۔

اب سے تقریباً چار ہزار سال قبل اللہ حکیم و قدیر اور علیم و خبیر نے اپنے ایک برگزیدہ ترین بندے اور خلیل و نبی حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ایک اعلان کرایا تھا، جس کا ذکر خود اسی نے فرمایا:

وأذن فی الناس بالحج ۔ اے ابراہیم لوگوں میں تم حج (کے لئے مکہ آنے) کا اعلان کردو ۔

اگرچہ یہ صدا ایک غیر آباد اور چٹیل میدان سے بلند کی گئی تھی لیکن صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی کیونکہ اس کے بارے میں اسی وقت یہ پیشگوئی بھی کردی گئی تھی کہ:

یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق

(اعلان سنتے ہی لوگ ہر دور دراز کے مقام سے پیدل اور سواری پر تمہارے پاس آئیں گے)

(حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سن ولادت ۲۱۶۰ قبل مسیح اور سن وفات ۱۹۸۵ ق م بتایا جاتا ہے) چنانچہ جیسا کہ سب جانتے ہیں۔ یہ پیشگوئی نہ صرف حرف بحرف پوری ہوئی۔ بلکہ اس اعلان کی تاثیر ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی کم ہونے کے بجائے زمانہ کے ساتھ برابر بڑھتی ہی جارہی ہے، کہ آج بھی جبکہ ہر طرف مادیت کا دور دورہ ہے اور روحانی و مذہبی اقدار کے نہ صرف کمزور پڑ جانے، بلکہ دم توڑنے جیسی کیفیت سے، مذاہب عالم کے ممتاز افراد، دوچار ہونے کی شکایت کر رہے ہیں۔ اور اپنے مذاہب کی طرف مائل و آمادہ کرنے اور ان کی رسموں کا خوگر بنانے کے لئے مادی ہی نہیں نفسانی خواہشات کی تکمیل تک کے لالچ دینے اور اسباب فراہم کرنے سے بھی دریغ نہیں کر رہے ہیں عام دینی حس کے فقدان کے اس زمانہ میں۔ ابراہیمی دعوت کی کشش اور اس صدا کے دل پر دستک دینے کی قوت و تاثیر کا حال یہ ہے کہ ہر طرف سے حوصلہ شکنیوں کے باوجود دنیا کے گوشہ گوشہ سے لوگ ہیں کہ ادھر کھینچے چلے آرہے ہیں، اور جو نہیں آسکتے ان کے دل اسی تمنا اور آرزو کو سینوں میں دبائے زندگی گزارتے بلکہ دن گنتے نظر آتے ہیں در اصل یہ بھی اللہ کے اس مقدس اور برگزیدہ نبی کی ہی ایک دوسری دعا فاجعل أفئدۃ من الناس تھوی الیھم (اے اللہ تو لوگوں کے دلوں کو ان کا (حرم کے خدمت گذار باشندوں) کی طرف مائل کردے۔" کی قبولیت و تاثیر کا عملی ثبوت ہے

اسلام سے پہلے حرم کی عظمت تاریخ و سیرت

کا معمولی طالب علم بھی یہ بات جانتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یعنی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے، عربوں کے اندر ہمہ جہتی بگاڑ آگیا تھا (کہ شاید کوئی عیب ایسا نہ تھا جو ان میں موجود نہ ہو) لیکن بایں ہمہ اس اعلان حج، کی تاثیر اس پر آشوب دور میں بھی کمزور نہیں پڑ سکی تھی، بلکہ اس کی اہمیت کا احساس بعض پہلوؤں کے لحاظ سے شاید آج سے بھی کچھ زیادہ ہی نظر آتا ہے، مثلاً اس وقت حج بیت اللہ کی غرض سے آنے والوں کے لئے صرف رہائش ہی کا نہیں، کھانے پینے تک کا مفت انتظام کیا جاتا تھا، اس خدمت کے لئے وہاں باقاعدہ دو منصب قائم کئے گئے تھے (رفادہ ، اور سقایہ) علاوہ ازیں تمام عرب، جو پورے سال باہم دست و گریباں رہتے تھے حج کے مبارک موقعہ پر اس بابرکت عبادت کے تقاضے پورے کرنے ہی کیلئے اتنے عرصے جنگ و جدال اور قتل و قتال سے پورے طور پر الگ رہتے تھے جتنا زمانہ اس کام کے لئے ناگزیر تھا، چنانچہ اس عرصہ کا نام "اشہر حرم" (احترام کے مہینے) رکھ لیا تھا، احترام و تقدس کا یہ حال تھا کہ۔ بعد از ہجرت چند مسلمانوں کے مکہ معظمہ میں نہیں بلکہ اس سے کوئی چالیس پچاس میل کے فاصلہ پر ایک اقدام سے چاند کی تاریخوں میں اختلاف کے باعث غلط فہمی کی بنا پر (کہ وہ اس زمانہ کو اشہر حرام سے خارج سمجھ رہے تھے) اس پابندی کی معمولی سی خلاف ورزی کا گمان مکہ کے باشندوں کو ہوگیا تھا تو انہوں نے غیر مسلم عربوں نے آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔ اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ کیا کہ انہیں صفائی پیش کرنے اور جوابدہی پر مجبور ہونا پڑا تھا[1] یہ تو زمانی اعتبار سے اس دور جاہلیت میں حج کی عظمت و تقدس کا حال تھا، مکانی اعتبار سے، یعنی خاص اس مقدس سرزمین۔ جس میں بیت اللہ واقع ہے اور جسے ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حرم، کہتے ہیں کے احترام کا یہ حال تھا کہ واقعۃً وہ مقام ومن دخلہ کان آمنا (جو اس میں چلا گیا امن مل گیا) کی سچی تصویر تھا (بعض مفسرین زمخشری جیسے ممتاز محقق بھی ہیں۔ نے اس آیت کے ایک معنی ہی یہ بتلائے ہیں کہ "زمانۂ ماضی میں وہاں کا یہ حال تھا کہ انسان تو انسان جانوروں شکار کو بھی وہاں امان نصیب تھی، بلکہ درختوں۔ خود رو درختوں کو بھی نہ چھیڑا جاتا تھا، اور کانٹوں کو بھی نہ کاٹا جاتا تھا - پھر اسلام آیا تو اس نے چونکہ وہ دین ابراہیمی و اسماعیلی کا مکمل نمائندہ ہے ان تمام قدیم طریقوں کو دینی احکام کی حیثیت دیدی، چنانچہ صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں اعلان فرمایا۔

ان مکۃ حرمھا اللہ ولم یحرمھا الناس فلا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسفک فیھا دما ولا یعضد بھا شجرۃ ۔

مکہ کو خود اللہ تعالیٰ نے قابل احترام قرار دیا ہے ، لوگوں نے نہیں، لہٰذا کسی بھی انسان کے لئے کہ جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ حلال نہیں کہ وہاں خون بہائے یا درخت کاٹے

ع جیسا کہ مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم نے اپنی تفسیر ماجدی میں (سورۂ بقرہ کی آیت" واذابتلی ابراھیم ربہ الخ" کے تحت) لکھا ہے اور اسی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا سن ولادت ۲۰۷۴ (ق م) بتایا گیا ہے، الکعبۃ اللہ کی تعمیر میں حضرت اسماعیلؑ کا اپنے والد ماجد حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ شریک ہونا قرآن مجید سے ہی معلوم ہوتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیت اللہ کی ابراہیمی تعمیر ۲۰۶۰ (ق۔م) کے آس پاس ہوئی ہوگی لیکن اس سے قبل کتنے لوگوں اور کن لوگوں اور کس کس زمانہ میں کعبہ کی تعمیر ہوئی! اس میں خاصا اختلاف ہے ، احادیث کے مشہور شارح علامہ محی الدین نووی (متوفی ۶۷۶ھ) نے حضرت ابراہیمؑ سے پہلا ایک بار صرف فرشتوں کی تعمیر کا ذکر کیا (شرح مسلم ص۴۲۹ باب نقض الکعبۃ وبنائھا) تفسیروں میں حضرت آدمؑ کا کعبۃ اللہ کی تعمیر کرنا بھی ذکر ہوا ہے۔ (مثلاً تفسیر کشاف ص۲۶۶ ج۱ سورۂ آل عمران آیت ان اول بیت وضع للناس کے تحت)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔

ان اللہ حبس عن مکۃ القتل أو الفیل۔ وانھا لم تحل لاحد قبلی ولا تحل لأحد بعدی ..... لا یختلی شوکھا (بخاری، کتاب العلم)

اللہ تعالیٰ نے مکہ کو قتل سے یا ہاتھیوں کے لشکر کی دستبرد سے محفوظ کردیا اور یہ (وہاں قتل قتال اور فوج کشی) نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اس (علاقہ، یعنی حدود حرم کے اندر) کانٹے بھی نہ توڑے جائیں۔

علاوہ یہ پابندی صرف رسم و رواج یا ملکی قوانین اور حکومتی فرامین کی جیسی بے دلی کے ساتھ نہ ہوتی تھیں بلکہ اس کا احترام دل و جان سے کرتے تھے، اور معلوم و محسوس ہوتا تھا کہ اس مقدس سرزمین پر قدم رکھنے والا ہر فرد "نفس گم کردہ می آید" کا مصداق بنا ہوا ہے، کہ بڑے سے بڑا خونخوار و متکبر بھی وہاں پہنچکر سراپا عجز و نیاز بن جاتا ہے اور اس کی ساری اکڑ بھول جاتی رہتی تھی (بعض مفسرین نے بکہ کے یہی معنی بتائے ہیں) چنانچہ کسی شخص کا وہاں آخر اپنے باپ کے قاتل سے بھی سامنا ہو جاتا تو بھی ادنیٰ سی انتقامی تحریک اس کے قلب میں پیدا نہ ہوتی چاہے یہ شخص اس گروہ ہی کا فرد ہوتا جس کے یہاں گالی کا جواب گولی سے دیئے بغیر رہ جانا سخت بے عزتی اور توہین کی علامت ہوتی! ۔ کہتے دیکھئے کہ یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا اثر ہے جو انہوں نے سب سے پاکیزہ بیت بنانے سے قبل کی تھی،

رب اجعل ھذا البلد آمنا ۔

اے پروردگار! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنادے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ یہ دعائیں کی نہیں بلکہ کرائی گئی تھیں، یعنی اسی کے حکم سے کی گئی تھیں جس کے قبضہ و قدرت میں سب کچھ ہے اس کی ایک سنت یہ بھی۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ کوئی کام اسے کرنا ہوا تو پہلے اس کی طلب اپنے برگزیدہ بندوں کے دلوں میں پیدا فرمائی پھر وہی طلب و تمنا الفاظ کے لباس میں مؤثر دعا بن کر ظاہر ہوئی۔

حج میں امن کی ضرورت

در اصل یہ امن و امان، سرافگندگی و فروتنی سب کچھ ان مقاصد کے لئے معین ہی نہیں ناگزیر ہیں جو اس سرزمین بالخصوص بیت اللہ سے وابستہ و مربوط ہیں، جن کا اظہار خود "رب البیت" نے مختصر ترین تعبیر "فلیعبدوا رب ھذا البیت (عبادت رب) میں کردیا ہے اور نسبتہً مفصل انداز میں انہیں ، اقامت صلاۃ، طواف قیام، رکوع، سجود، ملکوث (اعتکاف) ذکر اللہ، قربانی (نسک، ہدی) ناداروں کی مدد (واطعموا البائس الفقیر) کی شرعی اصطلاحوں میں بیان کردیا گیا ہے۔ پھر ان سب کاموں کے ساتھ گویا ان سب کی روح۔ وہ جذبۂ سرافگندگی اور فروتنی ہے جسے اس درجہ مطلوب بتایا گیا ہے کہ اس کے بغیر کوئی شکل بھی عبادت" کہلانے کی مستحق نہیں ٹھہر سکتی، اسی لئے وہاں شاہ گدا محمود ایاز سب کے لئے ایک ہی لباس لازم کیا گیا، اور زیب و زینت بناؤ سنگار کی قطعاً ممانعت کردی گئی ، بلکہ ہر وہ کام اور ایسی نقل و حرکت جس میں تکبر و بڑائی، امتیاز و فوقیت کا ادنیٰ سا بھی شبہ ہوا سے ممنوع کردیا گیا ۔ (فرمایا گیا۔ الحاج الشعث التفث۔ حاجی کو تو پراگندہ بال اور خستہ حال ہی ہونا چاہئے۔ کذانی۔ ترمذی ج ۲ ص۱۴۴)

اور سب کو اس خاص بارگاہ میں عشاق کی طرح دیوانہ و وارفتہ بنکر بلایا گیا، جس حکیم و خالق نے انسان کو عاقل و فرزانہ بنایا اسی نے اپنی اس سب سے برگزیدہ مخلوق انسان۔ میں محبت و دیوانگی کا جوہر بھی رکھا ہے جو نقص نہیں کمال ہے عیب نہیں، ہنر ہے (بشرطیکہ صحیح وقت و موقعہ پر اسکا اظہار ہو) کیونکہ اس کے پہلو میں سنگ و خشت نہیں، درد آشنا قلب و جگر رکھا ہے کہ جذب و شوق کے لئے جو صحیح موقع اظہار چاہتا ہے۔ چنانچہ خالق و مالک اسی کا موقعہ " دیار حبیب " میں بلاکر فراہم کرتا ہے اس لئے وہاں فرزانگی نہیں دیوانگی، تدبر کے لائق ٹھہری، بڑائی نہیں عاجزی۔ قیمتی فرمائی مطالبات کے لئے مظاہرے نہیں خفیہ و آہستہ مانگنا اور دست طلب بڑھانا نیز سرگوشی کے انداز میں تضرع و ابتہال کے ساتھ بس ایک ہی بارگاہ میں فریاد کرنا، در اجابت کھولنے کا سبب بتایا گیا ہے اسی وجہ سے ھاہنا تسکب العبرات[1] (یہاں آنسو بہائے جاتے ہیں) کا سبق دیا گیا اسی لئے وہاں تلبیہ کا نعرہ والہانہ بلند کرنا ہزارہ تسبیح پر بھاری رکھا گیا (افضل الحج، العج والثج[2])

غرضیکہ اس نرالی اور انوکھی بارگاہ کے تقاضے بھی دوسرے مقامات کے تقاضوں سے بالکل الگ اور نرالے ہیں تو پھر۔ دوسرے مقامات کی طرح۔ وہاں شورش و ہنگامے مظاہرے و مطالبے، غیر خدا سے فریاد اور نالہ و شیون کیونکر روا ہوسکتا اور اسے کون ہوشمند سمجھداری کی بات کہہ سکتا ہے؟

غیر اللہ سے مانگنا جرم

یہی وجہ ہے کہ وہاں پر، مزاج دان شریعت شارح سنت بعض بزرگان سلف نے معبود حقیقی کے سوا کسی اور کے سامنے دست سوال دراز کرنے (بھیک مانگنے) تک کی اجازت نہیں دی اور یہاں بھی اللہ کے علاوہ کسی اور سے مانگتا ہے؟؟؟ کے حکیمانہ الفاظ میں سرزنش اس وقت ایسے نادانوں کو فرمائی کہ وہ جو وہاں کے تقاضوں سے بے خبر غیر اللہ سے سوال کرتے نظر آئے۔ (بھیک مانگ رہے تھے)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی دینی حمیت

اس موقعہ پر ماضی قریب کے ایک مشہور عارف باللہ اور داعی الی اللہ کا واقعہ ذکر کرنا شاید نامناسب نہ ہوگا جس کے راوی ہندوستان ہی کے نہیں عالم اسلام کے ممتاز عالم اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ہیں کہ سعودی دور حکومت سے پہلے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی جماعت تبلیغ) حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، دوران طواف مولانا نے سنا کہ وہاں کوئی شخص کہہ رہا ہے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" مولانا جیسے حساس دل اور توحید پرور ماحول میں پلنے بڑھنے نیز حدیث و قرآن کا صحیح مطالعہ کرنے والے ایک سچے موحد کے احساسات پر یہ صدائے بے ہنگام بجلی بن کر گری لیکن مستجاب الدعوات۔ کہ جس کی وحدانیت کے عقیدہ ہی نے ان کے حمیت دینی کو ابھارا تھا اسی کے در پر فریاد کرنے کے سوا اور چارۂ کار ہی کیا تھا، اور ایسی اضطراری دعا جو توحید خالص سے مملو ایک زخمی دل سے نکلی ہو اسے بھلا وہ مجیب قبول کیسے نہ کرتا جس نے خود ہی اپنی ایک صفت" یجیب المضطر اذا دعاہ بیان کی ہے، چنانچہ اسی کے بعد وہاں وہ نظم و انتظام قائم ہوا جس کے نتیجہ میں اس طرح کی ساری توحید سوز آوازیں نکالنے اور دعائیں کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ سخت اور دیرینہ امراض کا علاج کرتے وقت جسطرح معالج کو بسا اوقات کچھ زیادہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے (جو ہو سکتا ہے کہ، دوسروں کی نظر میں اتنی اہم نہ ہوں)، اسی طرح توحید کے منافی اقدامات میں بھی ایسی ہی صورت حال پیش آگئی ہو تو وہ چنداں تعجب خیز یا مستبعد نہیں، سب جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر معالج قصوروار نہیں، ہمدردی کا مستحق قرار پاتا ہے

حجاج کے لئے مقام غور و فکر

بات سے بات، نکلتی چلی آئی اور کہاں سے کہاں پہنچ گئی، در اصل کہنا یہ ہے کہ (بقیہ ص۔۔)

---

(۱) سورۂ بقرہ کی آیت "یسألونک عن الشھر الحرام قتال فیہ الخ" اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

(۱) ابن ماجہ (کتاب المناسک (باب استلام الحجر) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد (حجر اسود کے پاس فرمانا) مروی ہے۔

(۲) مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۲۲ میں اس کے قریب قریب الفاظ حدیث آئے ہیں، جن کا مطلب ہے کہ حج میں بہترین عمل بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا اور قربانی کرنا ہے۔

تحریک ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد

ندوۃ العلماء کے قیام کے اسباب کے ادراک کے لیے اس تحریک کے اغراض و مقاصد کے جائزہ سے مدد ملے گی۔ اس تحریک کے پیش نظر ابتدا میں دو مقاصد تھے۔

۱۔ علوم اسلامیہ کے نصاب درس و درس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔

۲۔ رفع نزاع باہمی یعنی اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

تحریک ندوۃ العلماء جوں جوں آگے بڑھتی رہی، اس نے اپنے دائرۂ کار اور بنیادی مقاصد میں اضافہ کیا، اب گویا مندرجہ ذیل چار مقاصد تحریک ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد قرار پائے۔

۱۔ علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دور رس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔

۲۔ ایسے علماء پیدا کرنا جو کتاب و سنت کے وسیع و عمیق علم کے ساتھ جدید خیالات سے بخوبی واقف اور زمانہ کے نبض شناس ہوں۔

۳۔ اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

۴۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت، بالخصوص برادران وطن کو اس کی خوبیوں سے روشناس کرانا۔

نصاب تعلیم کی اہمیت

انسانی ذہن و فکر کی تعمیر

قول و فعل، فکر و عمل میں توازن، اور کردار سازی میں نصاب تعلیم اور نظام تربیت سب سے مؤثر کردار ادا کرتا ہے، قوموں کے عقیدے اور عمل اور معاشرے کا مزاج و رجحان، حکومت کی ساخت اور تنظیم یہ سب کچھ نظام تعلیم و تربیت کے تابع اور زیر اثر ہوتے ہیں۔

یورپ کے مادہ پرست تہذیب سائنس و صنعت کے میدان میں اس کی برق رفتاری، اس کرۂ ارض کے وسیع رقبے پر اس کے سیاسی تسلط اور غلبے کے نتیجے میں اٹھارویں صدی عیسوی کے بعد پوری دنیا خاص طور پر عالم اسلام ایک نئی پیچیدہ صورت حال سے دوچار تھا، یورپ نے اپنے اقتدار، نوآبادیاتی نظام اور استعماری پنجہ کو مدت دراز تک کرنے کے لیے ذہن و فکر کے بدلنے میں ان تمام ذرائع کو استعمال کیا، جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔

نظام تعلیم وہ سانچہ ہوتا ہے جس پر ڈھلنے والا دماغ خالق و مخلوق معاشرت و معیشت کے سلسلے میں مخصوص تصور رکھتا ہے، ہمارے ملک میں ذہنی و فکری دنیا میں نازک صورت حال اس وقت پیدا ہوگئی جب انگریزوں نے نظام تعلیم دوئی، ثنویت کا تصور یہاں کے عوام میں عام کیا اور خواص کے دماغوں میں اسے جاگزیں کیا۔

قصۂ قدیم و جدید

یورپ میں مادی فکر اور مادیت کی علمبردار جماعت مذہب اور اس کے علمبرداروں کو شکست دے کر اقتدار پر متمکن ہوئی تھی اور مذہب نے عیسائی مذہب کو جس نے اپنی افادیت کھو دی تھی، انسانی زندگی کا پرائیویٹ معاملہ کہہ کر کلیسا میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا اور دنیا میں یہ واقعہ مذہب کی شکست و ناکامی کی حیثیت سے مشہور کیا گیا۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سمائی کہاں اس فقیری میں میری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

نظام تعلیم میں قدیم و جدید، دین و لادینیت یا دین و دنیا کا جو فتنہ کھڑا کیا گیا ان میں سب سے زیادہ نقصان امت دعوت یعنی مسلمانوں کو پہنچا اور اس نقصان کا لامتناہی سلسلہ ہنوز عالم اسلام اور نتیجتاً پوری دنیا میں جاری ہے۔

مسلم ممالک کا انتشار

مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلی ہوئی وہ کثیر آبادی جس کے پاس قدرتی وسائل اور آسمانی نعمتوں کی بہتات ہے آج اپنے اندرونی نظام میں انتشار و بدنظمی کا شکار ہے، بیرونی دنیا میں ان کی کوئی وقعت و وزن نہیں، اس کا اہم سبب برآمد، نظام تعلیم اور اس کی ثنویت ہے جس نے گزشتہ سو سال میں اس نسل کو پیدا کیا جو برائے نام تو مسلمان ہے لیکن جسے اسلام سے خلوص و عقیدت کا تعلق نہیں ہے، جو اعلیٰ نظریۂ حیات سے (جس میں نیا دین، مادیت و روحانیت کا حسین امتزاج ہے) بے خبر اور نابلد رہ کر اپنے ملک و معاشرے کی اس اکثریت کے مزاج، رجحان، خواہش اور عقیدے کے برخلاف ایسے نظریات کو ملک و قوم پر مسلط کرتی ہے، جن میں نہ انسانیت کے عزت و احترام کا کوئی مقام ہے اور نہ اس کی فطری نشو و نما کی ضمانت ہے، مسلم ممالک کا برسر اقتدار طبقہ خالص دنیوی ترقی اور مادی فتوحات کے حرص میں وہ مغربی تعلیم پاتا رہا، جس میں اس کی ایمانی، ملی، دینی اخلاقی خودکشی کا بھرپور سامان تھا، وہ یورپ کی آئی ہوئی ہر چیز کو سرمایہ سمجھ کر اس کی طرف لپکتا ہے، مغرب کے مادہ پرست نظام تعلیم نے اس کی نگاہوں میں اخلاقی اقدار اور ماضی کی روایات کو بہت حقیر کر دیا ہے یہ طبقہ گزشتہ دو سو سال سے خاص طور پر انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے وسط تک منصوبہ بند طریقے سے مغربی سانچوں میں ڈھلتا رہا، عالم اسلام کے انتشار اور وہاں آئے دن برپا ہونے والے انقلابات اور سیاسی تبدیلیوں کا سب سے اہم سبب نئے نظام تعلیم کی پروردہ قیادت ہے۔

ندوۃ العلماء کی تحریک کی فکری اساس

ندوۃ العلماء کی تحریک کی فکری اساس کیا تھی، اس کی وہ کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے وہ ملت کی (اس کے اصل مزاج اور بنیادی ساخت کے مطابق) رہنمائی، حفاظت اور اس کو وقت کے خطروں سے بچانے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتی تھی، اس حقیقت کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے "حیات عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ" میں بڑی خوبی اور ایجاز کے ساتھ بیان کیا ہے، مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ندوۃ العلماء کی تحریک کو شروع سے اپنی دلچسپی اور سرگرمی کا مرکز کیوں بنایا، اور اپنی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اس پر کیوں مرکوز کر دیں اس کو بیان کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:۔

"۱۔ اس تحریک کی اساس (علی گڑھ کی تعلیم جدید اور تہذیب مغربی کی دعوت اور ملک کی دوسری تحریکوں کے برخلاف) خالص دینی تھی، یعنی اس میں مسلمانوں کے تنزل کا اصل سبب دین سے انحراف اور صحیح دینی تعلیم سے محرومی کو قرار دیا گیا تھا اور اسی کو ملت کے درد کا مداوا اور اصلاح و ترقی کا واحد راستہ تسلیم کیا گیا تھا، یہ وہ عقیدہ اور طرز فکر تھا جو ان کے تمام مضامین اور خطبات میں جھلکتا ہے اور اس خط میں جو سرسید کے نام لکھا گیا ہے بہت صاف نظر آتا ہے۔

"۲۔ اس تحریک میں طبقۂ علماء کو (جو شریعت اسلامی کا حامل، امین، کتاب و سنت کا شارح و ترجمان اور اسلام کا اصل نبض شناس ہے) مرکزی مقام دیا گیا ہے اور اسی کو امت کی تعمیر و تخریب، ترقی و تنزل اور اصلاح و فساد کا ذمہ دار قرار دے کر اپنی دعوت و جد و جہد کا محور بنایا گیا ہے کہ امت میں اصلاح حال کی کوئی کوشش حقیقی طور پر اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک علماء اس کے داعی و علمبردار نہ بنیں اور ان میں امت کی رہنمائی و قیادت کی صلاحیت پیدا نہ ہو، اس کے لیے ایک طرف دینی علوم پر حاوی اور کتاب و سنت کا رمز شناس ہونے کی ضرورت ہے دوسری طرف حالات زمانہ اور جدید ضرورتوں سے واقفیت کی۔"[1] وہ مزید لکھتے ہیں:۔

"۳۔ اس تحریک کا مزاج (سیاسی و ہنگامی کے بجائے) علمی و فکری تھا اور یہی ان کا اصل مزاج تھا۔

"۴۔ ندوۃ العلماء کی تحریک کا آغاز ہی اصلاح و ترقی نصاب کے کام سے ہوا تھا اور یہ بات ان کے فکر و مطالعہ سے پوری مطابقت رکھتی تھی۔[2]" مولانا مدظلہ مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

"۵۔ ان کا جس خاندان اور جس ماحول میں نشو و نما ہوا وہ انگریزی تعلیم سے آشنا ہو رہا تھا اور سرسید مرحوم کی تعلیمی تحریک کی صدائے بازگشت سے اس وقت ہر شہر و قصبہ کے بام و در گونج رہے تھے، زمانہ کا نیا رخ اور تاریخ کا نیا دھارا ان کی آنکھوں کے سامنے تھا، دونوں تعلیموں کے فیض یافتہ اشخاص سے ان کا دن رات کا واسطہ پڑتا تھا اور وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے ذہنوں احساسات بلکہ زبانوں اور اصطلاحوں میں

---

[1] حیات عبدالحی ص۱۳۰، [2] ایضاً ص۱۳۱

بھی کتنا عظیم تفاوت رونما ہو رہا ہے اور ان دونوں طبقوں کے درمیان کیسی وسیع خلیج پیدا ہو رہی ہے جو دین و ملت کے حق میں نہایت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اس کا علاج وہی تھا جو انہوں نے اپنی تقریر و محمود انجمن کی ایک تقریر میں ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ "علماء کی کم توجہی کا سبب سب سے بڑا یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ خود زمانہ کی ضرورتوں سے ناواقف ہیں" اور جس کا علاج انہوں نے تجویز کیا تھا کہ "جو لوگ علوم مشرقی و دینیات کی تعلیم قدیم طریقہ پر ہماری قوم کے علماء سے پاتے ہیں، ان کو زمانہ کی ضرورتوں سے واقف کرنا اور جو لوگ انگریزی کالجوں میں مغربی علوم و فنون کی تعلیم پاتے ہیں ان کو مذہبی معلومات سے مستفید کرنا" دوسری تدبیر وہ تھی جو ندوۃ العلماء نے (اس وقت جب وہ اس کے سرگرم رکن بن چکے تھے) اختیار کی کہ "انگریزی زبان اور بقدر ضرورت جدید علوم کو نصاب میں داخل کیا جائے اور ان کو دینیات اور عربی علوم و فنون کے ساتھ پڑھایا جائے۔"[1]

ندوۃ العلماء کے دور اندیش بانی

بیسویں صدی کے آخری ربع میں ہم جب عالم اسلام کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے دل میں ندوۃ العلماء کے بانیوں اور آج سے سو سال پہلے اصلاح تعلیم کا انقلابی نعرہ بلند کرنے والی ان برگزیدہ شخصیتوں کے بارے میں احترام و عقیدت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جن کی دور اندیشی، بصیرت اور حقیقت پسندی نے ایک صدی قبل ہمارے اس دور کے انجام کو دیکھ لیا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کی یہ عبقری شخصیتیں اپنے ایمان راسخ اور چشم بصیرت سے اس قیادت کو وجود میں آتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، جو اسلامی شریعت کو قصۂ پارینہ قرآنی تعلیمات کو بازیچۂ اطفال بنانے والی تھی، اور جو عالم اسلام و ملت اسلامیہ پر مسلط ہو کر اپنے عوام سے محاذ آرائی اور ان کی سرکوبی پر اپنی پوری توانائی اور صلاحیت صرف کرنے والی تھی، ان سب فتنوں کے سدباب کے لیے ندوۃ العلماء کے بانیوں نے اپنے مقاصد میں اولین اہمیت نظام تعلیم میں تبدیلی اور اصلاح نصاب کو دی۔

ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کی مکمل حکمرانی کے نتیجے میں مسلمانوں کی ابتر حالت کی اصلاح کی جو تحریکیں شروع ہوئیں، ان میں دو ممتاز تحریکیں، دو انتہا پسند نظریات اور رجحانات پر قائم تھیں، علی گڑھ کی تحریک مغرب کے رنگ میں رنگ جانے کی دعوت تھی، تو دوسری طرف دیوبند ہر اس چیز سے اور اس بات سے گریز کی داعی تھی جس پر یورپ کی چھاپ یا مغرب کی تہمت ہو، ان دونوں طبقوں کا باہمی بُعد اور بعض بدیہی حقائق سے انکار کا مزاج کچھ اس قسم کا بن گیا تھا کہ ؎

واعظ دلیل لائے جو مے کے جواز میں
اقبالؔ کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

یا اکبر الٰہ آبادی کی ظریفانہ مگر حقیقت پسندانہ رنگ میں ؎

قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا
جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا
جو اعتدال کی کہیے تو وہ ادھر نہ ادھر
زیادہ حد سے دیے پاؤں سب نے ہیں پھیلا
ادھر یہ ضد ہے کہ لیمن بھی چھو نہیں سکتے
ادھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا
ادھر ہے دفتر تدبیر و مصلحت ناپاک
ادھر ہے وحی ولایت کی ڈاک کا تھیلا
غرض دوگونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلا

انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمانوں کے یہ دونوں گروہ جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے تھے، اکبر الٰہ آبادی نے اس قطعے میں جو مصوری کی ہے وہ شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ جیتی جاگتی حقیقت ہے، ندوۃ العلماء کے روشن ضمیر بانیوں نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ نہ مغرب سے بیزاری اسلام کا مطالبہ ہے نہ مشرق کی ہر چیز کو گلے لگانا ایمان کا تقاضہ ہے۔

قدیم صالح اور جدید نافع کا حسین امتزاج ندوۃ العلماء کی دعوت تھی جس کی پذیرائی اور اس میں مضمر حقائق و مفادات کا ادراک آج سے سو برس قبل کیا جاتا تو عالم اسلام کو آج کا روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

چھٹی صدی عیسوی انسانی تاریخ کا وہ موڑ ہے، جس میں ایک بڑے سوئے قوم وہ انسان آیا جس نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور باریک سے باریک جزئیات کے لیے رہنما اصول عطا فرمائے، اپنے ماننے والوں کو اس نے معاد سے لے کر معاش تک، دین سے لے کر دنیا تک تعلیم کے درسوں سے لے کر ذکر کے حلقوں تک، غرض ہر شعبۂ حیات میں اپنی رہنمائی اور ہدایات سے مالا مال کیا، مسلمانوں نے اپنی قومی زندگی میں جب تک اسوۂ نبوی کی اس جامعیت اور ہمہ گیری کی پیروی کی اور اس کی دعوت دی وہ برابر زمین کے قبے اور انسانوں کے ذہن و دماغ پر چھاتے چلے گئے لیکن جب ان کی ملی زندگی میں اس جامعیت اور ہمہ گیری کے تصور میں کمی آئی تو وہ عالم اسلام کی نظروں میں حقیر اور گروہ انس پر بے حیثیت بن کر رہ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قیامت تک کے لیے نمونۂ عمل ہے آپ خدا تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپ کی دعوت کو قیامت تک ہر عصر، ہر جغرافیہ، ہر خطۂ زمین میں پہنچنا ہے اور انسانی فطرت کے پکار کی "لبیک" بننا ہے، اٹھارویں اور انیسویں صدی کے حالات اس بات کا تقاضہ کر رہے تھے کہ وہ طبقہ جو دینی تعلیمات اور علوم اسلامیہ کا امین، وارث، جانشین اور مبلغ ہے، وہ صورت حال کا حقیقت پسندی سے جائزہ لے کر ایسی تبدیلی لائے جس میں دینی معتقدات تو اپنی اصل روح کے ساتھ برقرار ہیں، ان کی حقیقی روح پر ذرا آنچ نہ آئے لیکن دوسری طرف وہ نئے حالات کو سمجھ کر ان علوم و فنون کو حاصل کرنے میں بھی کوشاں ہو، جنہیں دین کا خادم بنا کر اسلام کی اشاعت کا کام لیا جا سکتا ہے۔

دینی مدارس کا حال

حالات کا تقاضہ، خطرات کی پے در پے بجنے والی صدائے جرس قدیم مدارس میں کوئی بیداری، جنبش اور حرکت نہیں پیدا کر سکی، قدیم عربی مدارس کتاب و سنت پر استقامت اور صلابت کے طریقۂ تعلیم پر اصرار کی قابل قدر کوشش کے ساتھ نئے مسائل پر توجہ اور نئے سوالات کے جواب کی فکر کما حقہ نہ کر سکے، انہوں نے اقدامی پوزیشن کے بجائے دفاعی پوزیشن پر قناعت کر لی۔

قیام ندوۃ العلماء سے پہلے قدیم عربی مدارس میں رائج نصاب تعلیم پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان درسگاہوں میں معقولات کی ان کتابوں پر (جن کی ضرورت بیسویں صدی میں نہیں تھی) غیر معمولی توجہ اساتذہ کی محنت اور طلبہ کا قیمتی وقت صرف کیا جا رہا ہے، اس کے برعکس دینی علوم بالخصوص قرآن پر، اور بعض قدیم مدارس میں جو معقولات میں خاص شہرت و امتیاز رکھتے تھے، حدیث و فقہ پر بھی بہت کم توجہ ہے، قدیم حلقۂ درس کے ایک قابل احترام بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ معقولات کی تعلیم پر اپنی بیزاری کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"فلسفۂ محض بے کار ہے، اس سے کوئی نفع معتد بہ حاصل نہیں سوائے اس کے کہ چار سال ضائع ہوں اور آدمی خر دماغ بھی دینیات سے ہو جائے، کج فہم اور کور فہم شرعیات سے ہو جانے اور کلمات کفریہ زبان سے نکال کر ظلمات فلسفہ میں قلب کو کدورت ہو جاتے، اور کوئی فائدہ نہیں۔"[1]

عام عربی مدارس جو دین کے نمائندے ادارے اور دین کے داعیوں اور مبلغوں کو ڈھالنے والے محمل تھے، ان کا تعلق تمدن و تہذیب کی لازوال قوت سے کمزور پڑ چکا تھا، جدید افکار و نظریات کی واقفیت کی روشنی یا ہوا تک کا وہاں گزر نہ تھا، وہ نصاب تعلیم جو (صالح و موزوں) ذہنی نشو و نما میں معاون ثابت نہ ہو، اس سے بننے والا ذہن و دماغ باہمی منافرت، فلسفیانہ مباحث، احتمالی آفرینی اور فقہی اختلاف کی تدریس ہی ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء نے اپنے فاضلانہ و محققانہ مضمون میں ہندوستان کے نصاب تعلیم کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے، یہ مضمون اس موضوع پر ایک اہم ماخذ اور سند کی حیثیت رکھتا ہے، جن لوگوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا انہوں نے عام طور پر اسی سے استفادہ کیا ہے یہ مقالہ ایک ایسے فاضل کے قلم سے نکلا ہے، جو اسی نصاب درس کا ساختہ پرداختہ تھا اور جس نے اس کی تحصیل اپنے عصر کے فاضل ترین اساتذہ سے اور خاص طور پر جہاں سے یہ نصاب مرتب ہو کر سارے ایشیا میں پھیلا تھا یعنی فرنگی محل کے ممتاز و کہنہ مشق اہل درس سے کی تھی پھر اس کے قلم سے علمائے ہند کے حالات و تذکرہ میں "نزہۃ الخواطر" کی آٹھ ضخیم جلدیں اور ہندوستان میں اسلامی علوم و فنون کی تاریخ وار ارتقاء کی داستان اور ہندوستانی علماء کی ان علوم میں تصنیفات کی مکمل فہرست "معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف"[2] کے نام سے نکل چکی ہے وہ دیکھتے ہیں۔

---

[1] سوانح قاسمی۔ ج ۲ ص۲۹۲

[2] یہ کتاب دمشق کی ربک اکیڈمی [illegible]

"اس زمانہ میں جو نصاب رائج ہے وہ درس نظامیہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، کیونکہ درس نظامیہ میں منطق میں مندرجہ ذیل کتابوں کا اضافہ بغیر فکر و غور کے خود بخود ہوگیا ہے، غلام یحیٰ، ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک اور بعض مقامات شرح سلم العلوم عبدالعلی بحر العلوم اور حاشیہ عبدالعلی بر میر زاہد رسالہ، اور کہیں کہیں شرح سلم ملامبین بھی۔

اس اضافہ کی تاریخ بہت دلچسپ ہے مولوی محمد فاروق صاحب چریا کوٹی اپنے استاد مفتی محمد یوسف رحمہ سے نقل کرتے ہیں، کہ ان کے بچپن میں شرح سلم علی العموم رائج نہیں تھی، بلکہ قاضی مبارک کے شاگرد مولوی مدن وغیرہ اپنے شاگردوں کو سلم کے ساتھ شرح سلم قاضی مبارک بھی پڑھاتے تھے اور ملاحسن کے شاگرد شرح سلم ملاحسن پڑھاتے تھے، پڑھانے میں ایک دوسرے پر نوک جھونک بھی ہوجاتی تھی اس لیے ایک کو دوسرے کی کتاب کا دیکھنا ضروری تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ سب کتابیں درس میں داخل ہوگئیں جن کو ہم اگر کہنا چاہیں توصیح طور پر ناخواندہ مہمان یا سبزۂ خودرو سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس نصاب کے حسن و قبح پر بارہا مفصل اور بسیط تقریریں ندوۃ العلماء کے جلسوں میں کی گئی ہیں، اور بڑے بڑے مضامین لکھے گیے ہیں، لہٰذا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ میں استیعاب کے ساتھ ان تقریروں کا اعادہ کروں، ضرورت مقام کے لحاظ سے صرف ان نقائص کو بدفعات ذیل میں بیان کرتا ہوں جو وقتاً فوقتاً ظاہر کئے گئے ہیں ؛۔

۱۔ اس نصاب میں قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور تحصیل فن کیطرف توجہ کم کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ طلبا میں ضرورت سے زیادہ احتمال آفرینی پیدا ہوجاتی ہے لیکن کسی فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ منطق کی کتابیں ضرورت سے بہت زیادہ ہوگئی ہیں، شروع سے لیجئے تو پندرہ کتابیں صرف منطق کی اس نصاب میں ہیں، صغری کبری، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب شرح تہذیب، قطبی، ملاحسن، حمداللہ، میرزاہد رسالہ، غلام یحیٰ، میر زاہد ملا جلال قاضی مبارک۔

۳۔ منطق کی پندرہ کتابیں نصاب درس میں ہیں اور تفسیر کی صرف دو کتابیں، بیضاوی اور جلالین۔ بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں، جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے، لیکن اس کے اختصار کا حال یہ ہے کہ اس کے الفاظ و حروف قرآن مجید کے الفاظ و حروف کے برابر ہیں۔

۴۔ حدیث و تفسیر کو ادب و عربیت سے مدد حاصل ہوتی ہے، اس کا حصہ بہت کم ہے بلاغت میں صرف دو کتابیں درس میں ہیں، مختصر و مطول، مختصر پوری پڑھائی جاتی ہے اور مطول "ما انا قلت" تک یعنی ½ سے بھی کم۔

۵۔ منطق کی کتابیں جو درس میں داخل ہیں، ان میں خلط مبحث بہت ہے ملاحسن حمداللہ اور قاضی ہیں تو منطق، لیکن ان میں منطق کے جس قدر مسائل ہیں اس سے کہیں زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہیں جہل بسیط اور جہل مرکب، علم باری، کلی طبعی کا وجود فی الخارج وغیرہ وغیرہ ایسے اہم مسائل ہیں جن میں مصروف ہو کر طالب العلم کو منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم توجہ ہوسکتی ہے

۶۔ اس نصاب میں تاریخ، جغرافیہ، علم اعجاز القرآن اور ضروری علوم بالکل نہیں ہیں[1]۔ مولانا شبلی اپنے مضمون "ندوہ اور نصاب تعلیم" میں لکھتے ہیں :۔

" موجودہ نصاب میں اکثر کتابیں ایسی ہیں جن میں نفس مسائل کے علاوہ نہایت کثرت سے لفظی مباحث ہوتے ہیں، جن کا مدار کسی کتاب کے خاص الفاظ پر ہوتا ہے، یعنی اگر اصل مسئلہ کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا جائے تو وہ تمام مباحث بیکار ہوجائیں مثلاً شمسیہ میں یہ عبارت تھی کہ العلم اما تصور فقط وهو الخ، قطبی میں اس کے متعلق ایک بڑی بحث اس بنا پر چھیڑ دی گئی کہ ھو کی ضمیر تصور کی طرف پھرتی ہے یا تصور فقط کی طرف اس بحث میں قطبی اور میر کے کئی صفحے صرف ہوگئے لیکن اگر مصنف ضمیر کے بجائے خود مرجع کو ذکر کر دیتا تو یہ تمام بحثیں رائیگاں ہو جاتیں، اس طرح بجائے اس کے کہ اصل مسئلہ پر وقت صرف کیا جائے، مصنف کے ایک خاص لفظ اور اس کے منشار پر بے فائدہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے، نصاب موجودہ کی اکثر کتابوں کی یہی حالت ہے، یعنی جس قدر اصل فن کے مسائل ہیں، ان کے قریب بلکہ ان سے زیادہ فضول لفظی مسائل ہیں[2]" (باقی آئندہ)

گذشتہ حاشیہ :۔ کی طرف سے ۱۹۵۸ء میں الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند کے نام سے شائع ہوئی اس کا اردو ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" کے نام سے دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا۔

[1] ہندوستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات۔ از مولانا حکیم سید عبدالحی صفحہ ۲۲-۲۳۔ [2] الندوہ ج ۲۰۱

سوال و جواب

• — محمد طارق ندوی

سوال : کیا مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دی جاسکتی ہے ؟

جواب : ہاں، مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دینا درست ہے، زمانہ نبوت سے لے کر اب تک مسجد کے اندر تعلیم دی جاتی رہی ہے۔ البتہ مسجد کے احترام کا خاص طور پر لحاظ رکھیں۔

سوال : ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ میرے گھر میں تیری نماز کی نحوست ہے اور میں کافر ہوں، کیا یہ کفر ہے؟ اور کیا ایسے شخص کا نکاح باقی رہا ؟

جواب : شوہر کا یہ کہنا کہ گھر میں تیری نماز کی نحوست ہے اور میں کافر ہوں وغیرہ کلمات سے وہ مسلمان نہیں رہا، سچی توبہ یعنی تجدید ایمان کرنا ضروری ہے۔ اس کی بیوی کا موجودہ حالت میں اس کے ساتھ رہنا شرعاً جائز نہیں ہے، تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح کر سکتا ہے۔

سوال : بیسی سسٹم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص ذرا پڑھا لکھا بیس ممبر بنایا ہے اور ہر نفر سے یومیہ بیس روپے جمع کراتا ہے تو ایک مہینہ میں چھ ہزار روپے حاصل ہوتے ہیں۔ پھر وہ رقم اپنے کاروبار میں لگا دیتا ہے، دوسرے ماہ جمع کر کے پھر ڈرا کرتا ہے، جس وقت اس رقم کو کوئی دوسرا حاجتمند دو سو یا تین سو روپے دے کر لیتا ہے، پھر یہ نفع کی رقم سارے ممبران پر تقسیم ہوتی ہے، کیا شرعاً یہ درست ہے ؟

جواب : بیسی کا یہ طریقہ کہ جس میں ذمہ دار شخص چھ ہزار روپے اپنی تجارت میں لگائے اور دوسرے مہینے کے چھ ہزار روپے دو سو یا تین سو کے نفع پر حاجت مندوں کو دے یہ صریح سود ہے جو حرام ہے۔

سوال : ایک شخص مسلمان ہوگیا لیکن اس کے والدین ابھی تک کافر ہیں اس صورت میں لڑکے کا کیا فرض ہے، والدین کے ساتھ کیا سلوک کرے ؟

جواب : کافر والدین کے ساتھ ان کے مسلمان لڑکے پر حسن سلوک کرنا شرعاً ضروری ہے، لیکن والدین اگر انھیں معصیت پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت نہ کرے۔

سوال : کسی عورت کے اگر بیس بچے پیدا ہوجائیں تو کیا اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے ؟

جواب : کسی عورت کے بیس یا بیس سے بھی زائد بچے پیدا ہونے سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا ہے، عوام میں یہ غلط مشہور ہے۔

سوال : ایک شخص کی فرض نماز میں ایک رکعت چھوٹ گئی اتفاق سے امام کے سلام پھیرنے پر اس نے بھی بھول کر ایک طرف سلام پھیر دیا، کیا یہ شخص فوراً اٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے ؟

جواب : ہاں اگر بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، حالانکہ اس کی نماز پوری نہیں ہوئی ہے تو وہ سلام کے بعد اپنی نماز اس صورت میں پوری کر سکتا ہے، جب کہ نماز کے منافی کوئی عمل اس نے نہ کیا ہو۔

سوال : فرض نماز میں امام کو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب : فرض نماز میں مقتدی امام کو لقمہ دے سکتا ہے، لیکن لقمہ اس وقت دے جبکہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

سوال : اگر امام نمازوں میں حرکات یا حروف کی غلطیاں کرے اس طرح کہ ہر رکعت میں تین چار غلطیاں ہوں تو کیا ایسے امام کی اقتدا درست ہوگی ؟

جواب : اگر امام قرأت میں ایسی غلطیاں کرتا ہے جس سے بالکل الٹے معنی ہوجاتے ہیں تو نماز نہیں ہوگی اور اگر ایسی غلطیاں کرتا ہے جس سے معنی نہیں بدلتے، تب بھی نماز مکروہ ہوگی لہٰذا بہتر یہ ہے کہ دوسرے امام کو، جو غلطیاں نہ کرتا ہو، اس امام کی جگہ منتخب کرلے اور جب تک مجبوری ہو اس کے پیچھے پڑھتا رہے۔

سوال : اگر بھوک لگی ہو اور کھانا موجود ہو تو کیا پہلے کھانا کھائے پھر نماز پڑھے؟

جواب : ہاں، اگر زیادہ بھوک لگی ہو تو پہلے کھانا کھائے پھر نماز پڑھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۵)

روس میں جنگ افغانستان کے اثرات

فیض احمد شہابی

افغانستان میں مداخلت کے بعد روسی فوجیوں کو جس ہلاکت سے گزرنا پڑا ہے اس پر روس کے عوام میں بے چینی کی ہر دوڑ گئی ہے جذبات میں ویسی شدت تو نہیں جو جنگ ویتنام کے خلاف امریکی شہریوں نے دکھائی تھی، لیکن عام روسی اس طویل اور بے مقصد مہم جوئی سے اکتایا ہوا معلوم ہوتا ہے قومی، علاقائی، اور مذہبی پس منظر میں نفرت کی جو مختلف گہرائیاں موجود ہیں۔ روسی حکمران ان سے بخوبی واقف ہیں، بات یہاں تک پہونچی ہے کہ بعض قومی ریاستوں نے جنگ افغانستان کے خلاف مشترکہ اعلانیے تک جاری کئے ہیں۔ اگرچہ سوویت یونین کے بے رحم نظام میں کسی تحریک کا ابھرنا تقریباً ناممکن دکھائی دیتا ہے لیکن جنگ افغانستان ایک ایسا سانحہ بن کر ٹوٹا ہے جس پر روس کے عوام مشتعل ہیں۔ ماسکو کے دانشور سرجی خوانسکی کا کہنا ہے :

"یہ جنگ ہماری معیشت پر بوجھ ہے ہمارے بھائی بند اس میں مر رہے ہیں نچلے درجے کے کمزور کسان ہوں یا حکومتی کارپرداز سبھی اس سے نالاں ہیں" خوانسکی کے مطابق اس جنگ کے خلاف کسی طاقت ور تحریک کا اٹھنا فی الحال ممکن نہیں امریکہ کے مقابلے میں یہاں جبر و تشدد کا راج ہے ان حالات میں عوام میں سیاسی تحریک برپا کرنے کا شعور اور حوصلہ نہیں پایا جاتا۔ اس کے باوجود سوویت حکومت لوگوں کے جذبات سے بے خبر بھی نہیں۔

بالٹک کی جمہوریتیں، یوکرین اور وسط ایشیا کے عوام افغانستان میں روس کی مداخلت کے خاص طور پر برہم ہیں یہ برافروختگی اس لحاظ سے بجا ہے کہ یہی ہتھکنڈے استعمال کر کے روس ان ریاستوں پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہوا تھا۔ سرجی خوانسکی اس بارے میں وضاحت کرتے ہیں" افغانستان میں فوجی مداخلت کے بعد وہ طبقہ نہایت پریشان ہے جس سے رنگروٹ بھرتی کئے جاتے ہیں۔ بعض ریاستوں میں حکومت کے خلاف کھلی مزاحمت اب معمول بن چکی ہے۔ حکومت اپنے ارادوں سے باز نہیں آتی اور احتجاج کرنے والوں کو بے رحمی سے کچل دیتی ہے کچھ بھی ہو جنگ افغانستان روس اور اس کے حواریوں کے لئے دردسر بن چکی ہے اس نے وہاں کے عوام کو بیداری دی ہے اور نیا شعور عطا کیا ہے۔ پولینڈ کے رسالے ردبوتنگ (شمارہ ۸۲، ۱۹۸۵ء) نے یوکرین کے ساحلی شہر اوڈیسہ کے بارے میں لکھا : جنگ افغانستان سے یہاں کے لوگ اتنے بوکھلا گئے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسے جیتنا ممکن نہیں ہے ریڈیو لبرٹی نے بھی ایک سروے کے ذریعہ انکشاف کیا ہے کہ روس کے ۳/۲ شہری اس بارے میں حکومتی پالیسی کی مخالفت کرتے ہیں۔

۱۹۸۳ء تک سوویت پریس نے یہ بتانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ روس افغانستان میں کن کارروائیوں میں الجھا ہوا ہے محاذ جنگ سے ایک روسی سارجنٹ نے پراودا (۱۰ فروری ۱۹۸۴ء) کو ایک خط لکھا : میں اس بات پر حیران ہوں کہ ہماری حکومت جنگ افغانستان کے بارے میں حقائق بیان کرنے سے کیوں کتراتی ہے۔ حالانکہ روسی شہری اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر یہاں اپنا فرض ادا کر رہے ہیں روس کے جنگی نقصانات پر نظر ڈالنے سے حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وزارت دفاع کے خفیہ اعداد و شمار کے مطابق صرف ستمبر ۱۹۸۰ء میں ۹۲۴۸ روسی سپاہی ہلاک اور ۱۵۰۰۰ کے قریب زخمی ہوئے تھے سے دو برس پہلے جنگ میں کام آنے والے ایک روسی افسر کی ڈائری ملی اس میں ہلاک اور زخمی ہونے والے روسیوں کی تعداد ۳۲۰۰۰ — ۳۴۰۰۰ ہزار کے قریب درج تھیں مجاہدین سے آکر ملنے والے ایک یوکرینی منحرف فوجی نے انکشاف کیا کہ ان کے کامریڈ ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ بتاتے ہیں۔ اسکا کہنا تھا کہ اتنے روسی فوجی ہلاک تو نہیں ہوئے، البتہ یہ تعداد ۴۰، ۵۰ ہزار سے کم نہیں۔ لیتھونیا سے چھپنے والے ایک زیر زمین رسالے اوسرا شمارہ ۳۰، میں درج تھا۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق تین برسوں میں روس کے ۳۰ فی صد فوجی جنگ میں ہلاک یا زخمی ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد چالیس ہزار سے کم نہیں۔

ستمبر ۱۹۸۵ء میں حکومت کے ایک اعلیٰ نمائندے وی آئی جتاکوف نے سیاسی تعلیم کے ایک ادارے میں تقریر کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ جنگ افغانستان میں ہر سال ۱۵۰۰۰ فوجی اپنی جانیں دیتے ہیں۔ ماسکو کی ایک خاتون سیلز کلرک نے اپنی ایک سہیلی (جو شرمیٹوفو، ماسکو کے ٹرمنل پر کام کرتی ہے)، کے حوالے سے بتایا کہ ایک اسپیشل ہوائی جہاز روزانہ کابل سے ایک سو کے قریب تابوت لاتا ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جنگ افغانستان میں مرنے والے روسیوں کی تعداد تیس چالیس ہزار سالانہ کے لگ بھگ ہے روسی شہری ان جانی نقصانات پر سیخ پا ہیں مارچ ۱۹۸۱ء میں قازق مسلمان فوجیوں کی لاشیں مناسب تجہیز و تکفین کے بغیر دفنانے پر الماءعطا میں زبردست مظاہرے ہوئے تھے۔ حالیہ برسوں میں جب کہ جانی اتلاف کئی گنا بڑھ چکا ہے۔ روسی حکام عوام کے غیظ و غضب کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں اور سینکڑوں لاشیں روس لانے کے بجائے وہیں افغانستان میں ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔

ہلاکت کی خبریں دوستوں اور رشتہ داروں پر بجلی بن کر ٹوٹتی ہیں جولائی ۱۹۸۵ء میں مشرقی جرمنی میں تعینات ایک روسی فوجی کو یہ خبر ملی کہ اس کا بھائی جنگ میں مارا گیا ہے تو وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ بعد میں اس نے گیریزن سے فرار ہونے کی کوشش کی، تو اسے گولی مار کر ہلاک کردیا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں خارکوف کے قصبے میں ایک عورت نے خودسوزی کرلی وجہ یہ تھی کہ وہ جنگ میں مرنے والے اپنے بیٹے کی لاش حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔

روسی نوجوان فوج میں بھرتی ہونے سے ڈرتے ہیں۔ ماسکو کے ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ایسے نوجوان بیماری کا بہانہ بنالیتے ہیں۔ خود کو زخمی کرلیتے ہیں اور بعض تو بہ کثرت خودکشی کی کوشش کرتے ہیں کہ روت گراڈ کے ایک ڈاکٹر کے مطابق ملٹری رجسٹریشن آفس پر افغانستان نہ بھیجنے کے لئے بھاری رشوتوں کی پیش کش کیجاتی ہے۔ ایک شخص نے اپنا ذاتی مکان اور کار اس شرط پر دینے کی پیش کش کی کہ اس کے بیٹے کو افغانستان نہ بھیجا جائے حکومت نے اس سردردی سے بچنے کا حل ڈھونڈھ لیا ہے۔ اب ایسے یتیم بچے جنگ میں جھونکے جارہے ہیں جن کا والی وارث کوئی نہیں۔

روس میں خفیہ چھپنے والے پرچوں SAMIZDAT میں جنگ افغانستان کے خلاف جذبات کا حقیقی اظہار روزمرہ کی بات ہے لیکن اب ملک کے طول و عرض میں ایسے غیر قانونی ٹیپ شدہ الریگیت گردش کر رہے ہیں جنھیں خفیہ مقامات پر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ یہ گانے ان مایوس فوجیوں نے لکھے ہیں جو افغانستان میں لڑ رہے ہیں ان گانوں کے انگریزی تراجم لاس انجلز ٹائمز کے علاوہ نیویارک سے شائع ہونے والے ایک روسی زبان کے اخبار میں چھپ چکے ہیں۔ اندازہ ہے کہ اب تک ۴۰۰۰۰ سوویت فوجی افغانستان میں اپنی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ مایوسی کا یہ عالم ہے کہ جنگ کے خلاف روسی فوج خود افغانستان

میں ایک خفیہ پرچہ KRASNAYA ZVEZDA نکالتے رہے ہیں۔

۱۹۸۳ء کے آخر میں کابل میں اس کی جو کاپیاں تقسیم ہوئیں، ان کا عنوان تھا "جنگ بند کرو، ہمیں اپنے گھروں کو جانے دو"! ساتھ ہی ایک فوجی کی تصویر بنی ہوئی تھی جو اپنی کلاشنکوف توڑ رہا تھا۔ سرجی خوانسکی کا خیال ہے کہ افغانستان کے باشندوں کو جس بیدردی سے کچلا گیا ہے۔ اس سے روسی فوجیوں کے گرتے ہوئے مورال کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں جاتی نقصانات جتنے بڑھے ہیں جنگ کی مخالفت بھی اتنی ہی تیز ہوئی ہے۔

وطن لوٹنے والے فوجی روسی حکام کے لئے مسئلہ بنتے جا رہے ہیں۔ وہ خفیہ چھپنے والے اخبار وں کو انٹرویو دیتے ہیں اور جنگ کی ہولناکیوں کے قصے جا بجا بیان کرتے ہیں۔ فوج کی بائی کمان کے لئے جنگ سے عام نفرت ایک تعفیہ بن چکی ہے۔ خطرہ ہے کہ ان احساسات نے سیاسی تحریک کی صورت اختیار کرلی تو یہ پورے سوویت معاشرے کو تلپٹ کر دے گی۔ سماجی بہبود کے ایک اعلیٰ روسی افسر نے تسلیم کرتے ہوئے کہا: افغانستان سے لوٹنے والے فوجیوں کے احساسات کا اندازہ ہمیں گزشتہ دو تین برسوں میں ہوا۔ وہ تھکے ماندے ذہنی طور پر مفلوج نظر آتے ہیں لوگوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ جنگِ افغانستان کے فوجیوں کو اب جنگِ عظیم دوم میں حصہ لینے والے سابق فوجیوں کے برابر مراعات مل گئی ہیں اس کے باوجود مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔

انہوں نے فوجی انداز میں افغانی دستے AFGHANTSY بنائے ہیں۔ جو سماج دشمن قوانین کے مقابلے میں عدل وانصاف فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کار آزمودہ فوجی روس کے نظامِ زندگی اور اس میں پائی جانے والی خرابیوں مثلاً رشوت، نوکر شاہی اور مغربی طرز کی فیشن زدگی سے سخت متنفر ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ روس کے گرے ہوئے معاشرے میں وہ اخلاقی طور پر بہتر ہیں۔ اب تو انہوں نے خفیہ طور پر لوگوں کو تربیت دینی شروع کر دی ہے کہ بلیک مارکیٹ کرنے والوں، رشوت خور افسروں اور منشیات کے سرپرستوں سے کیسے نمٹا جائے۔ پراودا نے ان کی سرگرمیوں کے بارے میں لکھا: یہ فوجی بداعتمادی کا شکار ہیں۔ وہ خود کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے نمائندے سمجھنے لگے ہیں۔ وہ ملک بھر میں اپنے قواعد وضوابط نافذ کرنا چاہتے ہیں اخبار کے مطابق افغانستان سے آنے والے ان فوجیوں کے منظم گروپ بڑے بڑے شہروں مثلاً ماسکو نو دیبرسک اور پرد پیترِ وسک میں موجود ہیں۔

جنگِ افغانستان سے نفرت کا اندازہ روس میں خفیہ چھپنے والے پرچوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ستمبر ۱۹۸۱ء میں نوشر کاسک کے شہر میں ایک اشتہار منظرِ عام پر آیا اس میں شہریوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ روس کی بے ردی مداخلت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ ایک ماہ بعد ماسکو میں اسی نوعیت کا پوسٹر چھپا۔ اس پر یہ نعرہ درج تھا۔ پولینڈ اور افغانستان کو آزاد کرو!" لینن گراڈ سے سمر قند تک یہ اشتہار اب روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں

۱۵ر جنوری ۱۹۸۰ء کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے افغانستان سے بیرونی فوجی دستے واپس بلانے کی قرارداد منظور کی ماسکو ہلسنکی ناظر گروپ نے اس موقع پر اپنے تائیدی بیان میں کہا" روس میں بنیادی انسانی حقوق ناپید ہیں۔ وہاں کی لیڈر شپ ایسے فیصلے کر ڈالتی ہے جس کے دُور رس اثرات تمام دنیا کو متاثر کرتے ہیں یہ عظیم ترین ریاست جس طرح شخصی حقوق کا خیال نہیں کرتی، اپنے لوگوں، ہمسایوں اور بالآخر دنیا انسانیت کے لئے ایک خطرہ بن گئی ہے۔" اس بیان پر دوسروں کے علاوہ معروف روسی منحرف آندرے سخاروف کے بھی دستخط تھے۔ گورکی میں جلاوطنی سے پہلے انہوں نے اے، بی، سی نیوز کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے افغانستان سے روسی فوجیوں کی واپسی کا مطالبہ دہرایا۔ پابندیوں کے باوجود سخاروف کی چند تحریریں بیرونی دنیا میں پہنچیں انہوں نے اپنے ایک مضمون میں بتایا۔ فیصلے کرتے وقت قومی رہنماؤں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے عوام محاسبے کا حق رکھتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ افغانستان پر چڑھائی کا فیصلہ کس نے کیا اور کیوں کیا؟۔ ہماری سیاست کا دردناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے قائدین صلح اور جنگ کے معاملات میں کسی کی رائے قبول نہیں کرتے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہاں تنقید کا گلا دبا دیا گیا ہے۔ روس کے اندر سے اس آواز نے افغان مجاہدین کو ایک نیا حوصلہ عطا کیا انہوں نے روسی حکمرانوں سے کہا کہ وہ سخاروف کی آزادی کے بدلے میں روس کے بعض جنگی قیدی ان کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ روس کی جانب سے مجاہدین کی اس پیش کش کا جواب نہیں آیا۔

انسانی حقوق کی بحالی کے لئے روس میں متعدد تنظیمیں سرگرم ہیں جون ۱۹۸۱ء میں استونیا میں کسی نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ کی جانب سے ..... ایک میمورنڈم چھپا۔ خلاصہ یہ تھا" اس میں شبہ نہیں رہا کہ ہمارا ملک ایک بہت بڑی سامراجی قوت ہے سرحد پار کی دوسری آزاد قوموں پر استعماری ہتھکنڈے اس کا معمول بن چکے ہیں ۱۹۸۰ء کے موسمِ گرما میں لینن گراڈ کی ایک تنظیم کی دو خواتین نے روسی نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ افغانستان کے بجائے جیل جانے کو ترجیح دیں، اس پر روسی حکومت اتنی بگڑی کہ ان خواتین کو گرفتار کر کے جبری طور پر ملک سے نکال دیا مئی ۱۹۸۰ء میں لینن گراڈ" ماریا کلب" کی" افغان خواتین کمیٹی" نے ایک قرارداد منظور کی۔ اس میں کہا گیا تھا ہم خواتین اپنے حوصلہ مند بھائیوں کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہیں، جو جنگ تشدد اور بے انصافی کے خلاف مصروفِ عمل ہیں" جون ۱۹۸۱ء میں بچوں کے بین الاقوامی پر" تحریکِ امن" کے ایک رکن سرجی ٹرانسکی کی ایک اپیل منظرِ عام پر آئی۔ ایک اشتراکی ملک میں ایک اجتماعی تحریک کو مزاحمت سمجھ کر کچل دینا غیر فطری لگتا ہے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود یہ تحریک ہلاکت خیز، ایٹمی ہتھیاروں، افغانستان میں مرنے اور زخمی ہونے والے افغان بچوں اور وہاں جاری تباہ کن جنگ کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھے گی

۱۹۸۳ء میں ماسکو میں جنگِ افغانستان کے خلاف پہلا بڑا مظاہرہ ہوا۔ پولیس نے مظاہرین کو منتشر کردیا پکڑ دھکڑ دو دن جاری رہی تقریباً دو سو افراد جیل میں بھیج دیے گئے ایک غیر سرکاری تنظیم کے نمایاں رکن الغ رازنسکی اسی سال اکتوبر میں زیرِ حراست لئے گئے۔ ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے روسی توسیع پسندی کی مذمت کی تھی۔ حکام نے رازنسکی پر یہ الزام بھی دھرا کہ وہ جنگِ افغانستان کے بارے میں ایک ایسا قلمی سکرپٹ تیار کر رہے تھے۔ جس میں روس کو ایک نازی طاقت کے روپ میں دکھایا گیا تھا۔ ایک روسی منحرف الغ الیفانوف پورے وثوق سے کہتے ہیں" سوویت حکومت میں اگر جرأت ہے تو ریفرنڈم کرا کے دیکھ لے کہ عوام کی اکثریت افغانستان سے فوجی دستے واپس بلانے کے حق میں ہے۔ اس مداخلت کا عالمی اشتراکی انقلاب یا روس کی سلامتی سے کوئی تعلق نہیں لیکن لینن گراڈ کی ایک جدید تحریک اشتراکیت نے نومبر ۱۹۸۵ء میں اپنا منشور شائع کیا (بحوالہ گارڈین ۲۲ر جولائی ۱۹۸۶ء)

" ہماری مسلح افواج تاریخ میں پہلی بار افغانستان میں ایک غیر اعلانیہ جنگ لڑ رہی ہیں اس میں مایوسی کے سوا کچھ نہیں۔ اس جنگ سے سوویت یونین یا مسلح افواج کے وقار میں کوئی اضافہ نہ ہوگا تحریک کو شاید معلوم نہیں کہ روس نے آج تک کوئی اعلانیہ جنگ نہیں لڑی۔

لیتھونیا، لتویا اور استونیا کی جمہوریتیں اہلِ افغانستان سے گہری ہمدردی رکھتی ہیں۔ افغانستان میں فوجی مداخلت کے ایک ماہ بعد ان ریاستوں کے ۴۵ تحریک پسندوں نے سپریم کورٹ اور اقوامِ متحدہ کو ایک کھلا خط بھیجا انہوں نے سوویت افغان معاہدۂ دوستی کا پول کھولتے ہوئے وضاحت کی بالٹک کے ممالک نے ایک وقت میں روس کے ساتھ دوستی اور باہمی تعاون کا معاہدہ کیا۔ ۱۹۴۰ء میں ان معاہدوں کی آڑ میں روس اپنے فوجی دستے لے آیا۔

یہاں کے مفتوح عوام روس کے ساتھ دوستی کے تلخ نتائج اب تک بھگت رہے ہیں۔

جنگِ افغانستان نے وسطِ ایشیا پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اسلام دشمن پروپیگنڈے کے باوجود یہاں افغان مجاہدین سے گہری ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ سرحد کے دونوں جانب ایسی قومیں آباد ہیں جو نسل اور مذہب کے لحاظ سے ایک رشتے میں منسلک ہیں۔ متعدد رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ افغان مجاہدین وسطِ ایشیا جا کر اپنے بھائی بندوں سے ملاقاتیں کرتے اور اپنا لٹریچر بانٹتے ہیں ۱۹۸۴ء میں وسطِ ایشیا کا دورہ کرنے والے ایک مغربی سیاح نے اپنے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا" یہاں پتہ چلا کہ روس افغان سرحد کتنی غیر محفوظ ہیں افغان گوریلے بلا روک ٹوک روس میں داخل ہوتے ہیں پہلے وہ یہاں صرف اپنا لٹریچر لاتے تھے۔ اب نشیات اور ہتھیار تک لانے لگے ہیں انہیں مقامی لوگوں کا پورا تعاون حاصل ہے۔ وسطِ ایشیا میں سوویت یونین کے خلاف خفیہ مواد شائع ہونے لگا ہے۔ ایک روسی اخبار نے تسلیم کیا کہ اس کے پیچھے افغان گوریلوں کا ہاتھ کار فرما ہے۔

وسطِ ایشیا میں جنگِ افغانستان کے اثرات تیزی سے پھیل رہے ہیں اسلامی جذبے کی روح پھر بیدار ہونے لگی ہے ہمدرد علماء ایسے ابھرنے لگے ہیں جو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو رہے ہیں ایسی خفیہ تنظیمیں بن گئی ہیں، جن کی قیادت" ملاؤں" کے ہاتھ میں ہے سمرقند میں مقیم ایک سابق افغان طالبِ علم ایک رسالے (ایشیا انفارمیشن بلیٹن اکتوبر ۱۹۸۵ء) کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا" قازق ترکمان، ازبک اور تاجک جمہوریتیں جو دراصل اسلامی ریاستیں ہیں روس کی غلامی کا جوا اتار پھینکنا چاہتی ہیں یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت افغانوں سے ہمدردی رکھتی ہے۔ آذربائیجان جمہوریہ سے فوجی بھرتی اس لئے ختم کر دی گئی ہے کہ افغانستان آتے ہی یہاں کے فوجی مجاہدین سے جا ملتے ہیں ۱۹۸۰ء میں ۶۔ ۱ تاجک فوجیوں کا دستہ محاذِ جنگ پر بھیجا گیا جب انہیں پتہ چلا کہ وہ افغان بھائیوں کے خلاف صف آرا ہیں تو انہوں نے لڑنے سے انکار کر دیا یہ فوجی واپس بھیج دیئے گئے بعض کو ان کے افسروں کے حکم پر موقع پر گولی مار دی گئی۔

۱۹۸۵ء میں ایک جرمن صحافی نے افغانستان میں ایک روسی تاجک بھگوڑے سے ملاقات کی۔ تاجک نے جرمن صحافی کو بتایا" ہمارے نوجوان اپنے افغان بھائیوں کا خون نہیں گرا سکتے روسی افسر انہیں جبری طور پر بھرتی کر کے افغانستان پہنچا دیتے ہیں۔ ستم یہ ہے کہ جنگ میں کام آنے والے وسطِ ایشیا کے مسلمانوں کو وہیں دفن کر دیا جاتا ہے رشتہ داروں کو ان کی موت کی خبر تک نہیں دی جاتی۔"

۱۹۸۲ء کے وسط میں تاجکستان کے شہر دوشنبے سے پانچ افراد پکڑے گئے وہ افغانستان پر روس کے قبضے کے خلاف پوسٹر تقسیم کر رہے تھے۔ ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ وہ عوام کو بھڑکانے کے لئے ہلاک ہونے والے فوجیوں کی تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے تھے یو ایس ایس آر نیوز بریف (شمارہ ۵ ۱۹۸۴ء) کے مطابق ان افراد کا افغان گوریلوں سے رابطہ تھا۔ ۱۹۸۶ء میں اسی شہر دوشنبہ سے ایک خاتون سلوا دینسوف کی گرفتاری عمل میں آئی۔ الزام یہ تھا کہ وہ جنگِ افغانستان کے خلاف ایک دستخطی مہم چلا رہی تھیں۔ انہیں بعد میں دماغی امراض کے ہسپتال داخل کرا دیا گیا۔ روسی حکام تسلیم کرتے ہیں کہ وسطِ ایشیا میں صرف ایک گوریلا تنظیم حزبِ اسلامی کے تقریباً ۲۰۰۰ قومی ارکان موجود ہیں جو تاجکستان اور ازبکستان میں حکومت کے خلاف پوسٹر شائع کرتے رہتے ہیں۔ بحوالہ یو ایس ایس آر نیوز بریف شمارہ ۱۰۔ ۱۹۸۶ء)

جون ۱۹۸۵ء میں استراخان کے شیشن نوجوانوں نے افغانستان میں فوجی خدمات سرانجام دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا فوجی دستے موقع پر بلائے گئے فائرنگ کا زبردست تبادلہ ہوا فریقین کے بہت سے آدمی ہلاک یا زخمی ہوئے حقیقت یہ ہے کہ جنگِ افغانستان نے روس کے اندر ایک دھماکہ خیز صورتحال پیدا کر دی ہے اگر یہ جنگ مزید عرصہ تک جاری رہی تو روس کی اندرونی سلامتی کے لئے ایک خطرہ بن جائے گی۔ (بشکریہ ذکریٰ)

بقیہ سوال جواب

سوال: امام نماز پڑھا رہا ہے کہ اتنے میں اسے کسی شخص کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے اس خیال سے رکوع کو طول دیا کہ مذکور شخص کو رکعت مل جائے کیا یہ درست ہے؟

جواب: امام کا نمازیوں کے خیال سے نماز کو طول دینا اور اس کو مختصر کرنا دونوں درست ہے البتہ اگر کسی متعین شخص کے لیے ایسا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔

سوال: کیا سنتیں اذان سے قبل وقت آنے پر پڑھی جا سکتی ہیں؟

جواب: ہاں اذان سے قبل وقت آنے پر سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

سوال: رشوت کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: رشوت کی تمام رقم کا اصل مالک کو (یعنی جس سے رشوت لی ہے) لوٹانا واجب ہے اور اگر اصل مالک یا اس کے قائم مقام کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو بغیر ثواب کی نیت کے تمام مال کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

بقیہ اپنے ملک کی تباہی -

اپنے نیک بندوں کے سپرد کر دیتا ہے تو ہم پوری آمادگی کیساتھ اس کی تحسین اور رعنائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس ذمہ داری کو قبول کریں گے اس بات کا فیصلہ تو تاریخ کرے گی کہ حاکمانہ حیثیت کا استحقاق کب پیدا ہوگا۔ لیکن یہ بات بالکل صاف ہے کہ ہم استحقاق کے طور پر اس مقام پر پہونچنا چاہتے ہیں، بطور غاصب نہیں۔

بقیہ حرم کے مسافر

اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے جس بندہ کو دیارِ مقدسہ جانے کی توفیق دے بالخصوص حج کے زمانہ میں تو وہ اس جگہ کے آداب و قواعد کا خاص طور پر خیال رکھے ورنہ خطرہ ہے کہ" نیکی برباد گناہ لازم" کی مثال کہیں صادق نہ آجائے یہاں اس طرف توجہ دلانا

شاید بے محل نہ ہوگا کہ قرآن مجید کی ایک آیت" ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم" کے پیش نظر امت کے بہت سے اکابر علماء نے یہ سمجھا ہے کہ وہاں گناہ کا ارادہ بھی گناہ اور قابل مواخذہ جرم ہے، ان علماء میں ماہر علوم قرآنی، صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود اور عم زادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عباس بھی ہیں شاید اس سبب سے بھی موخرالذکر نے مکہ معظمہ کے بجائے طائف میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس خطرہ کی وجہ سے بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ ہر جانے والے کیلئے کہ جبتک وہاں رہے وہاں نہایت محتاط زندگی گذارنے، بلکہ پھونک پھونک کر قدم رکھے، شاید اسی مصلحت سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حج کا زمانہ ختم ہونے کے بعد۔ باہر سے آنے والے حجاج کو۔ نہایت اہتمام کے ساتھ ان کے وطنوں کیطرف لوٹا دیتے تھے(۲) آخر میں دیارِ حبیب کے ہر خوش قسمت مسافر کو لکھنؤ کے ایک شاعر کی زبان میں یہ پیغام سنا کر رخصت ہوتا ہوں ؎

ادب گہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

---

(۱) احیاء العلوم للامام الغزالی ص۲۱۹ ج۱ (طبع ۱۳۴۶ھ)

(۲) موسوعۃ عمر بن الخطاب ص۶۱۶ (مادہ" مکۃ" تالیف محمد رواس قلعہ جی۔ مکتبۃ الفلاح۔ الکویت)

بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۶۸ ج۱، و احیاء العلوم للامام الغزالی ص۲۱۹ ج۱ (مصطفی البابی الحلبی۔ مصر ۱۳۴۶ھ)